شور بھی ہے سنّاٹا بھی

محسن اسرار

بسم الله الرحمن الرحیم

شور بھی ہے سنّاٹا بھی

محسن اسرار

جملہ حقوق بحقِ شاعر محفوظ ہیں

Mohsin Asrar
C-1, Mahroz plaza , Secter 11-H , First Floor,
North Karachi , Pakistan
Ph: 021-6995948
Cell: 0345-2367480

انتخابِ کلام	شور بھی ہے سناٹا بھی
شاعر	محسن اسرار
زیرِ نگرانی	رسا چغتائی
ترتیب و انتخاب	کاشف حسین غائر، اجمل سراج، رمزی آثم
تزئین	حبیب الرحمٰن اعوان
کمپوزنگ	فہیم اے زیدی
اشاعت	مئی 2006ء
قیمت	150

ناشر

ادب سرا

128-جناح ہاؤسنگ سوسائٹی، لال محمد چوہدری روڈ

بلاک 7/8 پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی

فون: 5400101 , 7002917

انتساب

اپنی شریکِ حیات

یاسمین اختر کے نام

انتہا سے نہ ڈر چراغ جلا
روشنی کی ہے ابتدا سب کچھ
محسن اسرار

ترتیب

اظہارِ خیال

☆.... خواجہ رضی حیدر 11

☆.... فہیم شناس کاظمی 16

مناجات 24

نعت 25

غزلیں

1......میری طرح بیتاب دکھائی نہیں دیتے 26

2......شور بھی ہے سناٹا بھی 27

3......زندگی کو اگر میں سمجھا کچھ 28

4......اگر دل جائے تو آزار بھی جائے 30

5......ترے کوچے کا پس منظر بناتے 31

6......دل کسی کا ہے جاں کسی کی ہے 32

7......دیر سے سو کر اٹھنے والو تڑپو لیکن شور نہ ہو 34

8......بجھ گئی آگ جل گیا سب کچھ 35

9......دل نہ ہو تو نظر میں کون رہے 36

10......ختم گر تجھ سے رابطہ ہو جائے 37

11......مرے بارے میں کچھ سوچو مجھے نیند آ رہی ہے 39

12......چراغِ راہ گزر ہے جلا رہے گا وہ 40

13......جاناں گئے دنوں کا تعلق بحال کر 41

14......دشمنِ جاں سے مروت بھی کیا کرتا ہوں	42
15......قرار ہے مرے دل کو نہ بے قراری ہے	43
16......کچھ بھی نہیں ہوتا ہے پھر بھی سامنے کیا کیا ہوتا ہے	44
17......سخنوری نہ سہی چیخنا ہی آ جائے	46
18......خود ہی تسلیم بھی کرتا ہوں خطائیں اپنی	48
19......محبت میں تقرب کے طریقے اور ہوتے ہیں	49
20......خیال و خواب کو پابندِ خوئے یار رکھا	51
21......ہر اختلاف ترا رنج بن گیا ہے اب	52
22......رواروی میں اسے ہم نہ پا سکیں شاید	53
23......مرا وجود رہا ہے کہاں مرے اندر	55
24......جب واہمے آواز کی بنیاد سے نکلے	56
25......حیات کیا ہے سراب آدھا، سوال آدھا، جواب آدھا	57
26......چلو مانا تمھیں ہم چاہتے ہیں	58
27......ہیں میری سوچ سے آگے تصرفات ترے	59
28......واہمہ جب بھی کوئی سوچ میں آ جاتا ہے	61
29......اِدھر اُدھر کی نہ کر گفتگو ہماری طرح	62
30......خود بخود آ گیا اجناس کو مہنگا ہونا	63
31......ہوتا ہے نہ ہونے میں بھی کیا کیا کسے معلوم	64
32......مرے وجود کے اندر اِدھر اُدھر کچھ ہے	65
33......ایسا کہے مجھے کبھی ویسا کہے مجھے	67

34......کارِ آسان کو دشوار بنا جاتا ہے	69
35......اچھا تو کبھی آگ بنا اپنے سخن کو	70
36...... مجھے جہاں سے نہ یوں سرسری گزارا جائے	71
37......انسان ہیں ناقدریِ انساں نہ کریں گے	73
38......مکافاتِ دل و دنیا کروں گا	75
39......تو کیا وہ مجھ سے جدا ہے مجھے نہیں معلوم	77
40......غمِ آئندگی سے ڈر رہے ہیں	79
41......مٹی ہو کر عشق کیا ہے اک دریا کی روانی سے	80
42......ڈھلی ہے عمر کہ وقعت نہیں رہی اپنی	81
43...... جب اس تماشا گر نے تماشا بدل دیا	83
44......محبت کی ہے تو رُسوا نہ ہونا	84
45......پکارنے کی طرح کب اُسے پکارا ہے	85
46...... یہ چاہتی ہے طبیعت کہ کچھ کیا جائے	87
47......کل رات وہ جھگڑتی رہی بات بات پر	89
48......عشق کو انہونیوں کی بے شماری چاہیے	91
40......خط میرے لب و چشم پہ تحریر کیے جا	92
50...... ہر روز ہی میں آتا ہوں صحرا سے نکل کے	93
51......بُرے دنوں کو بھی اچھا شمار کرنا پڑا	95
52......ضامن نہ تھا کوئی تو ضمانت نہیں ہوئی	96
53......مرے وجود کا ہر لازمہ سوالی ہے	97

54......ادھیڑ بن میں خیالات کی پڑے رہیے 99

55......اس کے چہرے سے عیاں رنگِ قرابت ہی نہیں 100

56......ہم اپنے ذہن پر پہلے اسے طاری کریں گے 102

57......وہ خود پرست بھی ہے زندگی شناس بھی ہے 103

58......جبیں شرمندگی سے پانی پانی ہو رہی ہے 105

59......ہم اس کو پاتے ہوئے خود کو کھونے لگتے ہیں 106

60......یہ کیسا حشر برپا ہو رہا ہے 107

61......کیا ملا دل میں اس کے گھر کر کے 108

62......زہر پی لوں میں ترے پیالے سے 110

63......یہاں موجود ہوں گر میں تو پھر تُو کیوں نہیں ہے 111

64......اچھا ہے وہ بیمار جو اچھا نہیں ہوتا 112

65......مری وحشت مجھے رُسوا نہ کر جائے 114

66......مجھے ملال بھی اس کی طرف سے ہوتا ہے 116

67......میں خود نبرد ہوں میرے لیے سپاہ بنا 117

68......رہے بے گھر مکاں ہوتے ہوئے بھی 118

69......اُس کی آنکھوں میں چاہتیں بھی ہیں 120

70......دلا سا دے وگرنہ آنکھ کو گریہ پکڑ لے گا 121

71......سماعتوں کے لیے راز چھوڑ آئے ہیں 123

72......گزر چکا ہے زمانہ وصال کرنے کا 124

سماجی ضمیر کا عکاس شاعر: محسن اسرار

خواجہ رضی حیدر

70ء کے عشرے میں کراچی سے کئی غزل گو متعارف ہوئے اور انھوں نے آئندہ سالوں میں اپنی شعری صلاحیتوں کی بنا پر اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل کی کہ آج نمائندہ شاعر کے طور پر شناخت کیے جاتے ہیں۔ محسن اسرار بھی ایک ایسا ہی شاعر ہے جس نے اپنا شعری سفر 70ء کے عشرے میں شروع کیا اور اپنی تخلیقی توانائی کا اتنا بھرپور مظاہرہ کیا کہ جلد ہی اسے امکانات کے شاعر کے طور پر شناخت کیا جانے لگا۔ مگر نا معلوم کیوں وہ اپنے شعر کی ترویج و اشاعت اور اپنے تعارف کی تگ و دو سے اس قدر کنارہ کش رہا کہ آج گزشتہ 30 سال سے مسلسل شعر لکھنے کے باوجود وہ اپنے تعارف کے حوالے سے ایک عمومی اجنبیت کا شکار ہے۔ اس صورتحال کی وجوہات کچھ بھی رہی ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ محسن اسرار نے شعری حلقوں اور ادبی محافل سے دوری اور گریز کی بنا پر پس انداز وقت کو ضائع نہیں کیا بلکہ اس وقت میں نہایت تندہی اور دلجمعی کے ساتھ اس طرح پرداخت کی کہ آج وہ مشتہر نہ ہونے کے باوجود اپنے عہد سے جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے مصرعہ میں شاعرانہ بانکپن اور تازگی اس کی متنوع فکر کے شانہ بشانہ دکھائی دیتی ہے۔ یہی کسی شاعر کی کامیابی ہوتی ہے کہ وہ قدیم الفاظ و تراکیب کو اپنی فکر سے اس طرح پیوست کرے کہ عصری حسیت اس کے مصرعوں میں روح کی طرح موجزن ہو جائے۔

محسن اسرار کے یہاں روایت کی بالادستی کے ساتھ ایک تازہ کاری ہے جو اس کا شعری شجرۂ نسب اُردو کے اہم شعراء سے جوڑ دیتی ہے۔ چکی کی مشقت اور مشقِ سخن اگرچہ طرفہ تماشا نظر آتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں یہ دونوں رویے یک جان ہو جاتے ہیں وہاں شاعری ذاتی واردات ہوتے ہوئے بھی ایک کائناتی حقیقت کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

کل رات میں نے خود سے کوئی گفتگو نہ کی
ہمسائے نے بھی گھر میں چراغاں نہیں کیا
ہم کو تو آئینے کی ضرورت نہیں مگر
اک آدمی سے گہرے مراسم ہیں کیا کریں
عجیب عالمِ حیرت ہے کار گاہِ حیات
کسی کو دیکھنا چاہا کوئی نظر آیا
سانس اس طرح لے رہا ہوں میں
گویا تازہ ہوا میں رہتا ہوں
میں ایک ہاتھ سے روکے ہوئے ہوں بام و دَر
اور ایک ہاتھ سے خود کو سنبھال رکھا ہے
اگرچہ ہم ابھی بینائی کو نہیں سمجھے
بنالیا ہے مگر آئنہ نہ جانے کیوں
کیا بات چھپا رکھی ہے تو نے سرِ مژگاں
چہرے پہ ترے انجمن آرائی بہت ہے
اے رہگزر کی ہوا گھر مجھے پہنچنے دے
دِیا جلانا ہے، آئینہ صاف کرنا ہے

اگر چہ اُردو غزل کے معنی ایک عرصے تک عورتوں سے گفتگو کرنے کے بیان کیے جاتے رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُردو غزل میں موضوعاتی گنجائشیں اس قدر تھیں کہ اس نے تمام اصنافِ شعر کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ خصوصاً مثنوی اور قصیدہ تو بڑی حد تک متروک ہو گئے۔ البتہ مرثیہ برابر لکھا جاتا رہا کیونکہ مرثیہ گوئی دُکھی ہوئی طبیعت، خفی احتجاج اور لطافت احساس تھا اور غزل بھی تقریباً انھیں طبعی اور حسی عناصر سے مشروط تھی اس لیے جہاں موضوعی کلیت کی بنا پر مرثیہ کو فروغ حاصل ہوا وہاں غزل بھی غالب و حسرت کے تتبع میں اپنی منزلیں طے کرتی ہوئی جدید عہد میں فراق گورکھپوری، فیض احمد فیض، ناصر کاظمی، عزیز حامد

مدنی، رسا چغتائی، احمد مشتاق، ظفر اقبال اور انور شعور تک پہنچ گئی۔ سماجی تضادات، عشقیہ واردات اور توصیفی جذبات جو پہلے قصیدہ اور مثنوی کی شکل میں لکھے جاتے تھے۔ غزل کے اشعار میں اختصار و جامعیت کے ساتھ سمٹ آئے اور آج بھی جو غزل لکھی جارہی ہے وہ اپنی اولین تعریف کے ساتھ ہی ساتھ سماجی تضادات، عشقیہ واردات اور توصیفی جذبات کی بھی ترجمان ہے۔ اس میں آپ سماج کا اجتماعی ضمیر بھی با آسانی دیکھ سکتے ہیں اور فرد کے ذاتی احساس کو بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ محسن اسرار کی شاعری اس صورتحال کی نمائندہ شاعری ہے۔ انھوں نے اپنی ذات کو حوالہ بنا کر اجتماعی سماجی ضمیر کا فہم وادراک ہی عام نہیں کیا ہے بلکہ اس پر نشتر زنی بھی کی ہے۔ یہ بات اگرچہ ایک عمومی کلیہ بھی قرار پاسکتی ہے لیکن شاعرانہ احساس اور پھر اس شاعرانہ احساس کو منظوم کرنے کی شاعرانہ چابک دستی کسی شعر کی انفرادیت کا تعین کرتی ہے۔ اسی شاعرانہ احساس اور چابک دستی سے تخلیقی اسلوب بھی متعین ہوتا ہے۔ یہ تخلیقی اسلوب اپنی موضوعاتی خلاقی سے ہٹ کر جب تک سریع التاثیر نہ ہو اس وقت تک شاعرانہ احساس اور چابک دستی ایک آنچ کی کسر کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ محسن اسرار کے یہاں کہیں کہیں اس ایک آنچ کی کسر کا اعلان موجود ہے لیکن مجموعی طور پر ان کی شاعری اپنی تاثیر اور موضوعاتی خلاقی کی شہادت دیتی ہے۔

پگھل جاتا ہے اندر سے بدن پہلی ہی خواہش میں
مگر آنسو نکلنے میں ذرا تاخیر ہوتی ہے

جتنا مجھے سفر کے لیے وقت چاہیے
اتنا وہ انتظار کرے گا بھی یا نہیں

وہ گھر بدل گیا مگر اس کی گلی کے لوگ
لوگوں کو میرے واسطے روتے ہوئے ملے

بے سماعت کردیا ہے خود کلامی نے مجھے
تو بتا کیا اب بھی سناٹا ہے سارے شہر میں

میں نے تو ایک بار بھی جھپکی نہیں پلک
حیراں ہوں کس طرح مرا سپنا بدل گیا

تری محفل میں رہنے کے علاوہ
سبھی آوارگی کی صورتیں ہیں

محسن اسرار کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ان کے ہاں اسلوبیاتی بُعد اور موضوعاتی تنوع کے باوجود احساس کی وحدت پوری طرح موجود ہے اور احساس کی یہ وحدت دراصل ایک داخلی حقیقت کا ثمر ہوتی ہے۔ وہ داخلی حقیقت جو آدمی کو گھلاتی ہے، اس کو توڑتی ہے پھر جوڑتی ہے۔ اس میں تجزیہ کرنے کی جرأت اور اپنی بات اپنے انداز میں کہنے کا اعتماد پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے شاعر اپنی کلیت میں قابلِ توجہ ہو جاتا ہے۔ محسن اسرار ایک ایسا ہی شاعر ہے جو زمانے کی دھوپ میں چلتے چلتے اچانک سائے میں چلنا شروع کر دیتا ہے اور جب وہ اپنے سائے میں چلتا ہے تو نہ صرف قدم تیز تیز ڈالتا ہے بلکہ گردِ سفر سے ایک ایسا شاعرانہ لباس بھی تیار کرتا جاتا ہے جو اپنی زیبائش و نمائش میں دوسروں کے لیے دیدہ زیب بھی ہوتا ہے اور قابلِ رشک بھی۔

بے خبری میں ہونٹ دِیے کی لو کو چومنے والے تھے
وہ تو اچانک پھوٹ پڑی تھی خوشبو رات کی رانی سے

رات میں پہلی بار رویا تھا
آج میں پہلی بار جاگا کچھ

کس طرح طے ہو سفر تنہائی کا
دور تک ہیں آئنے رکھے ہوئے

اکیلے پن سے کوئی جنگ جیتنے کے لیے
بدن پہ اپنے مجھے خود ہی وار کرنا پڑا

استعاراتی معنویت کا سراغ لگانا اور خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ الفاظ اپنی معنویت میں استعاراتی استعجاب کا ساتھ نہ دیتے ہوں، فی زمانہ بہت مشکل کام ہے لیکن میں نے کوشش کی ہے کہ میں محسن اسرار کی شاعری میں تواتر کے ساتھ استعمال ہونے والے تلازموں کے اندر اُتر کر اس رمز کو پالوں جو ان کے ہاں کلیدی تخلیقی قوت کا کام کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ تلازمے مروجہ ہیں لیکن میں نے محسوس کیا کہ عکس و آئینہ، ہجرو

وصال، خواب اور چراغ، رزق و روزگار ایسے تلازمے جہاں بھی ظاہر ہوتے ہیں ان میں استعاراتی حسن اور موجزن ہو گیا ہے۔ محسن اسرار بہت خفی موضوعات کو حسیاتی سطح پر اچھال دیتے ہیں۔ ان کی شاعری تخیل کا میکانیکی عمل نہیں بلکہ ان کے وفور ذات کی جلوہ گری ہے۔ ان کے ہاں کسی بھی مرحلے پر شاعر غائب نہیں ہوتا۔ وہ سوچتا اور بولتا رہتا ہے، لہٰذا ان کے اشعار ہمارے مخفی تفکر سے بہت قریب ہو کر گزرتے ہیں اور ہمارے تخیلاتی احساسات کو انگیخت کرتے ہیں۔

بہتی ہوئی ہر چیز نظر آتی ہے لیکن
آتے ہوئے سیلاب دکھائی نہیں دیتے

ایک دن اس طرح اسے دیکھوں
قرض اس آنکھ کا ادا ہو جائے

میں اس کے ہجر میں کیوں ٹوٹ کر نہیں رویا
یہ اک سوال بھی اس کی طرف سے ہوتا ہے

تم اپنے پاس ہی رکھا کرو بینائی میری
بہت ہوتا ہے ان آنکھوں کو دھوکا شام کے بعد

میں سمجھتا ہوں کہ محسن اسرار نے اپنے سماجی حالات کی جبریت میں بھی اپنے اندر کے شاعر کو نہ صرف زندہ رکھا ہے بلکہ اسے غور و فکر کے مواقع بھی فراہم کیے ہیں۔ سو ان کی شاعری میں سماجی جبریت آزاد نہیں بلکہ ایک گداز کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس گداز نے ان کی شاعری کو شاعری بنایا ہے۔ ایسی شاعری جو اپنا ایک روایتی حسب نسب رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ عصری حسیت کی بھی ترجمان ہے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ محسن اسرار اپنے دوسرے مجموعے میں اس زمانی خلا کو مزید پُر کر دیں گے جو منظر سے عدم موجودگی کی بنا پر ان کی شــ ی شناخت میں عمومی تعارف میں آج کے قاری کو حائل نظر آتا ہے۔

تنہائی سے مکالمہ کرتاہُوا آدمی

فہیم شناس کاظمی

هزار نکته باریک تر زمو ایں جاست
نه هر که سر بتراشد قلندری داند
ز شعر و دلکشِ حافظؔ کسے شود آگاه
که لطفِ طبع و سخن گفتنِ دری داند

حافظ فرماتے ہیں کہ ''یہاں (میری شاعری میں) بال سے زیادہ باریک نکتے ہیں۔ضروری نہیں کہ جو بھی سر منڈھا دے وہ قلندری بھی جانتا ہو۔ حافظؔ کے دلکش شعر سے صرف وہی شخص بھر پور لطف اٹھائے گا جو لطیف طبع ہوگا اور زبان و بیان و محاورات سے مکمل طور پر واقف ہوگا۔''

محسن اسرار کی شاعری کا بھی یہی معاملہ ہے۔70ء کی دہائی میں جب محسن اسرار نے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا تو اپنی شعری صلاحیت سے ماحول کو چونکا دیا اور گروہ بندی کی سازشوں اور بلاوجہ کی مخاصمتوں کی گرم بازاری دیکھ کر وہ نمود و نمائش کے شعری منظر نامے سے دور اپنے آپ میں گوشہ نشین ہوگئے۔انھوں نے میرؔ کی طرح اژدر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور اپنی شناخت کی جنگ سے رضا کارانہ دستبردار ہوگئے۔ یہ ان کی شریف النفسی تھی اور ان کی دروں بیں نظر بھی، کہ انھوں نے بہت کم وقت میں برگد کے ان تین پیڑوں کی قربت کے اثرات اور ان کی تباہ کاری کو محسوس کرلیا تھا اور انھوں نے زندگی کی جُھلسا دینے والی دھوپ کو سبز گھنیرے سایوں پر ترجیح دی جن کے سائے میں کچھ دیر رہنے والے آج بھی منزلوں سے دور رستہ رستہ بھٹک رہے ہیں۔

محسن اسرار نے بقول بیدل کے

غافل مشو از تامل وضعِ صدف
چیزے دارد لب از سخن دوختنش

یعنی یہ گوہر وہ ہے جو اہلِ فکر پالیتے ہیں یعنی جو لوگ خاموشی سے گوشہ نشین ہوکر اپنے کام میں فکر و تدبر کرتے ہیں وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ محسن اسرار نے بھی فکروفن کے ''باریک تر از نکتہ مو'' کے اسرار تک رسائی کے لیے کائناتِ شوروشر سے کنارہ کشی کی اور اپنے ہر لمحے کو فکرِ سخن میں صرف کیا اور یوں کہ ان کی شاعری کی خوشبو عودولوبان کی طرح پھیلتی چلی گئی اور ایک دنیا جو ان کی گم شدگی پر خوش تھی ان کی اتنی بھرپور واپسی پر حیران رہ گئی۔

محسن اسرار کی گوشہ نشینی میر کی مانند نہیں تھی جس کے شور نے روئے زمیں کو گھیرے میں لے لیا ہو وہ آہستہ روی کی ایک منفرد طرز تھی اور محسن اسرار نے اس آہستہ روی سے نفع کمایا، ان کی شاعری کا بانکپن جدت وندرت، رمزیت و اشاریت تمام جمالیاتی خوبیوں کے ساتھ پوری شعریت کے ساتھ ان کی شاعری میں ڈھل گئے اور ان کی غزل جدید تر غزل کی زندہ علامت بن گئی۔

محسن اسرار نے اپنی فکری تنہائی سے ایسی شعری کائنات دریافت کی ہے جس کے رنگ اپنی تازگی اور انفرادیت کے ساتھ ان کے اشعار میں دمکتے ہیں، ایسے خواب سجائے ہیں جن کی دلکشی سحر انگیز ہے۔ الفاظ کو یوں مصرعہ تر میں ڈھالا ہے کہ ان کی روشنی دھوپ سے زیادہ تیز ہے جن میں جذبات پوری شدت کے ساتھ سینۂ شمشیر سے باہر دم شمشیر کی طرح دمکتے ہیں اور احساسات پوری تہہ داری وسادگی وپُرکاری کی مثال مہکتے ہیں۔ ان کی شاعری میں انسانی نفسیات کے پہلو بڑی دلکشی وخوش اسلوبی سے رونما ہوتے ہیں جن کی سمت آج کے شعراء کی توجہ کم دکھائی دیتی ہے جو بقول بلھے شاہ کے ''آسمان پر اُڑتے (خیالوں) کو پکڑنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اپنے اطراف، اپنی زمین اور اپنے معاشرے سے لاتعلق سے ہیں، یعنی اپنی ذات یا عالم انسانیت سے ان کی غرض صرف (نرگسیت) ذات پسندی تک ہے۔ محسن اسرار اس عمومی رویے سے مختلف شاعر ہیں ان کی شعری فکر میں ذات وکائنات کا امتزاج بہت متوازن ومتناسب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

میں ایک ہاتھ سے روکے ہوئے ہوں بام و در
اور ایک ہاتھ سے خود کو سنبھال رکھا ہے
اِدھر زمان و مکاں ہیں اُدھر ہے میرا وجود
سوال یہ ہے کہ پہلے کسے سنوارا جائے
کارِ آسان کو دُشوار بنا جاتا ہے
واہمہ کوئی بھی ہو کام دکھا جاتا ہے

واہمہ سوال کا جواب نہ ملنے سے جنم لیتا ہے ارض وسما کے درمیان عصر حاضر کے انسان کا وجود ایک سوال ہی تو ہے جسے ۔

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

جو اپنے جنون میں سبھی کچھ تسخیر کرتا چلا جا رہا ہے، آسمانوں و سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے، پاتال کی تہہ کی خبریں لا رہا ہے کہ وہ بقا کا کوئی رستہ کوئی ذریعہ تلاش کر لے، یہی انسان بستیاں جلا رہا ہے، ذاتی منفعت کے لیے دوسروں کا گلا کاٹ رہا ہے، دوسروں کے حقوق غصب کر رہا ہے اور انسانی حقوق کے ایوارڈ وصول کر رہا ہے۔ محسن اسرار کا انسانی نفسیات کی ان پیچیدگیوں، اُلجھنوں اور معموں کے درمیان اپنی ہستی کی بے ثباتی کا احساس، بقائے دوام کی خواہش سوہانِ روح سے کم نہیں جو اس کرۂ ارض کے ہر انسان کی دلی تمنا ہے۔ اہرامِ مصر، دیوارِ چین اور تاج محل اسی لمحۂ فنا پر قابو پانے کی کوشش ہے۔

وقت سے تیز ہو چلی رفتار
اب یہاں بال و پر میں کون رہے
انتہا سے نہ ڈر چراغ جلا
روشنی کی ہے ابتدا سب کچھ

ہم اس کی سوچ میں امکانِ انتہا سے الگ

نیا سفر نیا آغاز چھوڑ آئے ہیں

محسن اسرار کی شاعری میں طنز و احتجاج فیض کی طرح چاندنی میں گھلے اور رسا چغتائی کی طرح صبا کی نرمی میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ مگر ان کی تیزی تلوار کی دھار کی طرح الفاظ کے پردے میں یوں دمکتی ہے جیسے بہتے شفاف پانی میں چاند کا عکس، جس کی آب و تاب سطح سے زیادہ اس کی تہہ میں ہوتی ہے۔ انتہائی ذاتی (وجودی) سطح پر ان کے مشاہدات انھیں موجوداتِ کائنات اور حیات کے نئے رشتوں، ٹوٹتے بندھنوں، دکھ سکھ کے پُر اسرار لمحوں کے درمیان تنہائی کے احساس کو شدت سے نمایاں کرتے ہیں اور پھر بے اختیار ان کا وجدان کا دل کرب سے بھر جاتا ہے۔ ذات کا دریا کناروں سے چھلک پڑتا ہے تو وہ اس لمحے کو یوں دامنِ تحریر میں سمیٹتے ہیں۔

میں سخنور ہوں سو خاموش نہیں رہ سکتا

میں نے آنکھوں میں بسا لی ہیں صدائیں اپنی

یہ انتہائی ذاتی (اندرون ذات کے) مشاہدات ہیں، جب کرب کی ان وادیوں سے شاعر معجز بیاں کا سفر ہوتا ہے تو اس کے توشۂ سفر میں تلازمات اور چند مخصوص استعارے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور سفر میں ہوا، خواب، چراغ، ہجر و وصال کی یادیں ہی انسانی حوصلہ بھی بڑھاتی ہیں اور اس کے دکھ میں اضافہ بھی کرتی ہیں۔ محسن اسرار نے ان لمحوں کو یوں بیان کیا ہے کہ

مجھے تو اتنی خبر ہے کہ سانس لینا ہے

یہ حبس ہے کہ ہوا ہے مجھے نہیں معلوم

اچھے موسم میں بُرا وقت گزارا ہے بہت

ہجر کو ہجر سمجھنے میں خسارا ہے بہت

جتنا مجھے سفر کے لیے وقت چاہیے
اتنا وہ انتظار کرے گا بھی یا نہیں

اک عمر ہوئی جس کو ہم ڈھونڈنے نکلے تھے
وہ تازہ ہوا محسنؔ کس شہر میں چلتی ہے

اپنے تئیں میں دیکھ رہا ہوں
ورنہ سپنا ٹوٹ چکا ہے

محسن اسرار کی لفظیاتی کائنات کی ندرت اور تراکیب کی جدت سے ان کی شاعری میں سحر انگیزی و دلکشی آئی ہے اور یہ دلکشی، یہ حُسن ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا اس کے لیے انھوں نے تنہائی سے مکالمہ کی اذیت سہی ہے، دکھ سے ہم سخن ہوئے ہیں تب کہیں بابِ سخن نے وہ حرف تعلیم کیا ہے جس میں سحر انگیزی و دلکشی کے ساتھ کرب ہے۔ اجتماعی معاملات ہوں یا انفرادی حادثات دونوں کے رنگ ان کے اشعار میں گھلے ملے ہوئے ہیں۔

جدید غزل نفی و اثبات کے روایتی کلیّوں کو تسلیم نہیں کرتی وہ اپنی زندگی کے اصول خود بناتی ہے ان پر عمل کرتی ہے اسے اپنے تجربے و مشاہدے پر یقین ہے وہ زندگی کے منظر نامے کو کھلی آنکھوں سے دیکھتی ہے اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اس کا تجزیہ کرتی ہے اور پھر وہ خود ہی اپنے اصولوں کو رد کر کے نئے معیار تشکیل دینے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے اور بقول صابر ظفرؔ

شعر کہنے کا سفر ایسا ہے جیسے کہ ظفرؔ
دائرے کھینچنا پھر ان سے نکلتے رہنا

محسن اسرار کی غزل میں بھی یہ ہنر کمال اہتمام کے ساتھ رونما ہوتا ہے وہ ابھی منزل یقین پر نہیں پہنچے عالم تشکیک ان کی شاعری میں مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہے مگر یہ عالمِ تشکیک کسی نفسیاتی پیچیدگی یا روحانی اُلجھن کا معاملہ نہیں یہ خالصتاً شاعرانہ اور فلسفیانہ مسئلہ ہے جس کی ابتدا انسانی شعور کے ساتھ ہوئی

اور شاید اس کی انتہا بھی انسان کے ساتھ ہو۔ محسن اسرار عالم تشکیک سے وہ رنگ پیدا کرتے ہیں کہ شعر میں نئے پن کے ساتھ دل کو چھو لینے کا احساس جاگتا ہے۔

کس سے پوچھوں یہاں پتا اپنا
دھوپ کچھ کہہ رہی ہے سایا کچھ

قرار ہے مرے دل کو نہ بے قراری ہے
مرا بگڑنا سنورنا ہنوز جاری ہے

ہوا اُجاڑ رہی ہے عبارتوں کا جہاں
حروف سامنے آئیں تو کچھ لکھا جائے

ہمیں لگتا ہے محسنؔ زندگی ہم سے نہیں ہوگی
اکیلے پن میں زندہ رہنے والے اور ہوتے ہیں

میں ان خاموشیوں میں رہ رہا ہوں
جہاں آتی ہیں آوازیں پلٹ کے

محسن اسرار کی شاعری میں زبان و بیان کی رمز آفرینی اور استعارے کا حُسن دلکش اور پُر تاثیر ہے اور وہ اس لیے کہ ان کا نسبی تعلق میرٹھ سے ہے جہاں کی زبان اور قینچی مشہور ہیں۔ محسن اسرار چونکہ شاعر ہیں اس لیے وہ زبان قینچی کی طرح نہیں چلاتے۔ ان کے شعروں، مصرعوں، تراکیب، بندشوں، علامتوں اور استعاروں میں تابندگی اور زندگی ہے، ادائیگی شعر کا حسن دلکش، جداگانہ اور اسلوب منفرد ہے۔ وہ کائناتِ لامحدود کی کرشمہ سازیوں، جلووں اور لطافتوں کو اس کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ شعر میں ڈھالتے ہیں کہ خیال تصویر بن جاتا ہے رنگ در رنگ، ایک نئی معنویت، ایک نئی دنیا دریافت اور اس کے در وا کرتا چلا جاتا ہے اور کسی بھی شاعر کے لیے یہی مشکل مرحلہ ہے کہ اس کا کلام کس درجہ فصیح و بلیغ ہے اس کی افادیت اور قدر و قیمت کا معیار اسی سے طے ہوتا ہے اس مقام پر بڑے بڑے شاعر

تاریخ کی راہوں کی دھول بن گئے اور آج ان کا نام صرف تذکروں تک محدود ہے۔ان کا کوئی شعر سندِ قبولیت نہیں پا سکا،عصر حاضر میں بھی محسن اسرار کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے شاعروں کا اک ہجوم ان کے اردگرد مشاعرہ بازی اور مال بناؤ کی مہم میں جنون کی حد تک مصروف ہے۔مگر محسن اسرار ان سب سے دور اپنی جزیرہ نما ذات میں تپسیا کے طویل عمل سے گزر رہے ہیں اور ان کی تپسیا نمود ذات کے لیے نہیں بلکہ نمود فن کے لیے ہے،ریاضت اور محنت سے انھوں نے ایسے زندہ اور جیتے جاگتے شعر تحریر کیے ہیں جن میں بقول غالبؔ

گنجینۂ معانی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

وہ فصاحت کہ دم سینۂ شمشیر سے باہر آب و تاب دے وہ بلاغت کے شعر سنتے ہی روح میں اتر جائے اور تہہ در تہہ ریشم کے تھان کی طرح اس کے معانی کھلتے رہیں،روح کو سرشار کرتے رہیں،فکر کا تھال موتیوں سے بھرتے رہیں اور شعر سہل ممتنع کے منصب پر فائز رہے۔محسن اسرار فن شعر کی کائنات رمز وایمائیت دریافت کر چکے ہیں۔وہ عام سی زندگی،ہم آپ سب کے سامنے بکھری زندگی کی تصویر یوں شعر میں ڈھالتے ہیں کہ لمحے کی بات صدیوں کی میزان پر تولی جاتی ہے لطافت ومعانی اپنی تمام تر دلکشی اور پوری آب و تاب کے ساتھ ان کے حروف میں جلوہ گر ہیں آپ محسن اسرار کے پہلے انتخابِ کلام ''شور بھی ہے سناٹا بھی'' کو عالم مصروفیت کے بجائے فرصت کے لمحات میں بڑے سکون کے ساتھ پڑھیے اگر ایک بار آپ نے بغور یہ شاعری پڑھ لی تو پھر بار بار یہ شاعری آپ پر حیرت ومسرت کے نئے باب وا کرے گی۔دیکھیے

انتہا سے نہ ڈر چراغ جلا
روشنی کی ہے ابتدا سب کچھ

بے خبری میں ہونٹ دیئے کی لو کو چومنے والے تھے
وہ تو اچانک پھوٹ پڑی تھی خوشبو رات کی رانی سے

وہ گھر بدل گیا مگر اس کی گلی کے لوگ
لوگوں کو میرے واسطے روتے ہوئے ملے
میں نے تو ایک بار بھی جھپکی نہیں پلک
حیراں ہوں کس طرح مرا سپنا بدل گیا
بہتی ہوئی ہر چیز نظر آتی ہے لیکن
آتے ہوئے سیلاب دکھائی نہیں دیتے

اس سے آگے آپ کو تنہا سفر کرنا ہے اپنے وقت اور بقدر طلب کے ساتھ، مجھے امید ہے کہ آپ واپسی پر اپنا دامن ہیروں اور موتیوں سے بھرا پائیں گے۔

مناجات

زندگی کی ہر خوشی دے مجھ کو رب العالمین
ہر طرح کی روشنی دے مجھ کو رب العالمین

دِین و دُنیا ، آخرت میں مغفرت فرما مری
زندگی ہی زندگی دے مجھ کو رب العالمین

مجھ کو اپنی ذات کا مقصد سمجھنے کے لیے
آگہی در آگہی دے مجھ کو رب العالمین

ایک رِقّت چاہیے مجھ کو دُعا کے واسطے
آنسوؤں کی اک جھڑی دے مجھ کو رب العالمین

کارِ دُنیا بھی عبادت کے سوا کچھ بھی نہ ہو
ایسا شوقِ بندگی دے مجھ کو رب العالمین

ہر طرح کی نیکیاں مجھ سے کرا اے کارساز
ہر طرح آسودگی دے مجھ کو رب العالمین

نعت رسول مقبول ﷺ

روشنی ہی روشنی ہے آپؐ کے دربار میں
زندگی ہی زندگی ہے آپؐ کے درباز میں

آ رہے ہیں جھولیاں بھر بھر کے سب حسبِ مراد
خوب دولت بٹ رہی ہے آپؐ کے دربار میں

آپؐ ہی تقسیم کرتے ہیں خدا کی رحمتیں
خود مشیّت آبسی ہے آپؐ کے دربار میں

یہ گواہی دے رہی ہے خود ہماری آگہی
اعتبارِ آگہی ہے آپؐ کے دربار میں

آپؐ کا جو ہوگیا وہ عمر بھر سوتا ہے کب
نیند خود بھی جاگتی ہے آپؐ کے دربار میں

میں نے دیکھا ہے کہ محسنؔ عالمِ فردوس کی
ایک کھڑکی سی کھلی ہے آپؐ کے دربار میں

O

میری طرح بیتاب دکھائی نہیں دیتے
یاروں کو مرے خواب دکھائی نہیں دیتے

ہشیار رہو اپنے در و بام سے ہر پل
بربادی کے اسباب دکھائی نہیں دیتے

بہتی ہوئی ہر چیز نظر آتی ہے لیکن
آتے ہوئے سیلاب دکھائی نہیں دیتے

آواز تو نزدیک سے آتی ہے اذاں کی
اور منبر و محراب دکھائی نہیں دیتے

اچھا ہے مجھے نیند میں چلنے کی ہے عادت
اچھا ہے تجھے خواب دکھائی نہیں دیتے

یہ دور عجب نامۂ اعمال ہے محسنؔ
تحریر میں اعراب دکھائی نہیں دیتے

O

شور بھی ہے سنّاٹا بھی
دل جیسی ہے دنیا بھی

میرا خواب نہیں ٹُوٹا
ہر دستک پر جاگا بھی

میرے گھر کی بات الگ
صحرا بھی ہے دریا بھی

سب کچھ ایک حقیقت ہے
اور سب کچھ ہے دھوکا بھی

تصویروں کی نمائش میں
رکھا ہے میرا چہرہ بھی

جل جانے سے ڈرتے ہو
تم نے جل کر دیکھا بھی

O

زندگی کو اگر میں سمجھا کچھ
تب چُکا دوں گا قرض اس کا کچھ

کس سے پوچھوں یہاں پتا اپنا
دھوپ کچھ کہہ رہی ہے سایا کچھ

کس محبت سے آئے ہیں سیلاب
گھر میں ہوتا اگر تو بہتا کچھ

کاش پوچھے وہ چشمِ شُکر گزار
ہم نے اپنے لیے بھی رکھا کچھ

عرصۂ ہجر پُر سکوں گُزرا
دل میں حسرت رہی کہ ہوتا کچھ

اُس کی محفل عجیب محفل ہے
جانا کچھ ہے، وہاں سے آنا کچھ

رات میں پہلی بار رویا تھا
آج میں پہلی بار جاگا کچھ

ہم نے کچھ بھی نہیں کِیا محسنؔ
اور ہوتا رہا ہے کیا کیا کچھ

اک عمر ہوئی جس کو ہم ڈھونڈنے نکلے تھے
وہ تازہ ہوا محسنؔ کس شہر میں چلتی ہے

O

اگر دل جائے تو آزار بھی جائے
کوئی بچھڑے تو جاں سے مار بھی جائے

خبر وہ ہے کہ جو سب کے لیے ہو
دُھواں گھر کا سرِ بازار بھی جائے

جو سب دیکھیں وہ منظر دیکھنا کیا
نظر ہے تو پسِ دیوار بھی جائے

اگر میں سب کا سب ہی بِک چُکا ہوں
تو پھر یہ گرمیٔ بازار بھی جائے

مسیحا وہ ہے جس کے ساتھ محسنؔ
مرض جائے مگر بیمار بھی جائے

O

ترے کوچے کا پس منظر بناتے
جگہ ملتی تو ہم بھی گھر بناتے

اگر ہوتے ہم اس کی انجمن میں
چراغوں کو بھی دیدہ ور بناتے

نہیں ہے ان دنوں جنگل میں مجنوں
اگر ہوتا تو چارہ گر بناتے

یہ تم نے آئنہ کیوں توڑ ڈالا
خلافِ دُشمناں لشکر بناتے

اُڑا دی کیوں ہوا میں زیست محسنؔ
تم اس مٹی کے بال و پر بناتے

O

دل کسی کا ہے جاں کسی کی ہے
یہ بھی اک شکل زندگی کی ہے

تم روایت سمجھ رہے ہو جسے
صورتِ حال یہ ابھی کی ہے

لوگ کیوں چُھپ گئے خدا جانے
میں نے تو صرف روشنی کی ہے

عاقبت کی تجھے ہے فکر بہت
اور جو زندگی ابھی کی ہے؟

کتنی معصوم ہے محبت بھی
جس نے اپنا لیا اُسی کی ہے

سب کو دعویٰ ہے دنیاداری کا
اور یہ دُنیا کسی کسی کی ہے

خود کو پتھر بناؤں میں کیسے
میری فطرت تو آدمی کی ہے

دُشمنی جس نے مجھ سے کی محسنؔ
میں نے اُس سے بھی دوستی کی ہے

سانس اس طرح لے رہا ہوں میں
گویا تازہ ہوا میں رہتا ہوں

O

دیر سے سو کر اُٹھنے والو تڑپو لیکن شور نہ ہو
تم کو حق ہے آئینوں کو توڑو لیکن شور نہ ہو

ہمسائے کا سُکھ تو اُس کے خواب کا پورا ہونا ہے
تم پر رِقّت طاری ہو تو رولو لیکن شور نہ ہو

شام ڈھلے پرواز سمٹ کر شاخوں پر آجاتی ہے
اپنی آنکھیں راہ گزر میں رکھو لیکن شور نہ ہو

دیوانے بھی اہلِ سماعت کی خدمت کر سکتے ہیں
دل ہونٹوں پر آجائے تو بولو لیکن شور نہ ہو

محسنؔ کس کو فرصت ہے جو تیشہ لے کر آئے یہاں
اپنے بُت کو اپنے ہاتھ سے توڑو لیکن شور نہ ہو

○

بُجھ گئی آگ جل گیا سب کچھ
پھر لگا آگ بھر بنا سب کچھ

جا نہیں روتے ہم تری خاطر
جنگ میں یوں بھی ہے روا سب کچھ

میں بھی آخر کو خود میں رہتا ہوں
کس طرح ہے یہ دوسرا سب کچھ

اپنی آنکھیں ہوں اپنا چہرہ ہو
تب ہی ہوتا ہے آئنہ سب کچھ

انتہا سے نہ ڈر چراغ جلا
روشنی کی ہے ابتدا سب کچھ

O

دل نہ ہو تو نظر میں کون رہے
تم خفا ہو تو گھر میں کون رہے

کون دیوار سے چلے در تک
اتنے لمبے سفر میں کون رہے

اُٹھ رہا ہے دُھواں دل و جاں سے
ایسے عالم میں گھر میں کون رہے

وقت سے تیز ہو چلی رفتار
اب یہاں بال و پر میں کون رہے

دور تک دیکھنے لگا ہوں میں
دیکھیے اب نظر میں کون رہے

دوہری زیست ہو تو پھر محسنؔ
زندگی کے اثر میں کون رہے

O

ختم گر تجھ سے رابطہ ہو جائے
زندگی جانے کیا سے کیا ہو جائے

کتنی ساکت فضا ہے دُنیا کی
مڑ کے دیکھوں تو حادثہ ہو جائے

ایسا بے چہرگی کا عالم ہے
آئنہ ہو تو مبتلا ہو جائے

وقت اتنا خموش رہتا ہے
میں نہ بولوں تو سانحہ ہو جائے

ایک دن اس طرح اُسے دیکھوں
قرض اُس آنکھ کا ادا ہو جائے

توڑنا ہے تو ایسے توڑ مجھے
تُو بھی آزار آشنا ہو جائے

میں بھی انساں ہوں اور ممکن ہے
جانے کس وقت کیا خطا ہو جائے

جُرم کوئی وہ کیا کرے محسؔن
زندگی جس کی خود سزا ہو جائے

میں ایک ہاتھ سے روکے ہوئے ہوں بام و دَر
اور ایک ہاتھ سے خود کو سنبھال رکھا ہے

○

مرے بارے میں کچھ سوچو مجھے نیند آ رہی ہے
مجھے ضائع نہ ہونے دو مجھے نیند آ رہی ہے

مرے اندر کے دکھ چہرے سے ظاہر ہو رہے ہیں
مری تصویر مت کھینچو مجھے نیند آ رہی ہے

تو کیا سارے گلے شکوے ابھی کر لو گے مجھ سے
کچھ اب کل کے لیے رکھو مجھے نیند آ رہی ہے

سحر ہوگی تو دیکھیں گے کہ ہیں کیا کیا مسائل
ذرا سی دیر سونے دو مجھے نیند آ رہی ہے

تمہارا کام ہے ساری حِسیں بیدار رکھنا
مرے شانے پہ سر رکھو مجھے نیند آ رہی ہے

بہت کچھ تم سے کہنا تھا مگر میں کہہ نہ پایا
لو! میری ڈائری رکھ لو مجھے نیند آ رہی ہے

O

چراغِ راہ گزر ہے جلا رہے گا وہ
مگر ہوا کے لیے مسئلہ رہے گا وہ

کہاں ہے ہجر میں رہنے کا تجربہ اُس کو
تمام عمر دُعا مانگتا رہے گا وہ

جگہ بدلنے سے ہیئت کہاں بدلتی ہے
جو آئنہ ہے سدا آئنہ رہے گا وہ

میں اُس چراغ کی لَو کو خراج دے آؤں
جو بُجھ گیا تو ہمیشہ بُجھا رہے گا وہ

بہت ہی دھوپ ہے اب سائباں بنا محسنؔ
خود اپنے سائے میں کب تک کھڑا رہے گا وہ

O

جاناں، گئے دنوں کا تعلق بحال کر
آئینہ بن گیا ہوں مری دیکھ بھال کر

اپنی ہی رہ گزر کے بجھاتا ہے کیوں چراغ
ہر راستے سے میرا گزرنا محال کر

اک روز ایسا ہو کہ چراغوں کے روبرو
کچھ میں ہُنر کروں، کوئی تُو بھی کمال کر

تحویلِ انتظار میں کب تک رہے گی آنکھ
میرے سُپرد میری نظر کا مآل کر

ڈر ہے کہیں میں دشت کی جانب نکل نہ جاؤں
بیٹھا ہوں اپنے پاؤں میں زنجیر ڈال کر

محسنؔ بُرے دنوں میں نیا دوست کون ہو
ہے جس کا پہلا قرض اُسی سے سوال کر

O

دشمنِ جاں سے مروّت بھی کِیا کرتا ہوں
میں محبت میں قناعت بھی کِیا کرتا ہوں

یہ ہوائیں درودیوار گِرا دیتی ہیں
اس لیے گھر کی حفاظت بھی کِیا کرتا ہوں

دل رہ و رسم بڑھانے کا روادار نہیں
لوگ ملتے ہیں تو عزت بھی کِیا کرتا ہوں

صرف اُس دیس سے ہجرت ہی نہیں کی میں نے
ہر مہاجر سے محبت بھی کِیا کرتا ہوں

جن کے کتبوں پہ محبت کے نشاں ملتے ہیں
ان مزاروں کی زیارت بھی کِیا کرتا ہوں

دُھوپ سے بھی ہیں مرے گہرے مراسم محسنؔ
اور سائے کی حمایت بھی کِیا کرتا ہوں

O

قرار ہے مرے دل کو نہ بے قراری ہے
مرا بگڑنا، سنورنا، ہنوز جاری ہے

عجیب لوگ ہیں ہنستے ہیں اور نہ روتے ہیں
تمام شہر پہ اک مصلحت سی طاری ہے

یہ لوگ کتنے کُھلے ہیں ذرا سے دھوکے سے
کسے خبر ہے مرا رنج اختیاری ہے

جو ٹوکتا ہے ہمیں بار بار کون ہے یہ
حیات جیسے کریں زندگی ہماری ہے

جو ہاں میں ہاں وہ ملاتا تو سچ کہاں کُھلتا
یہ اختلاف نہیں اُس کی غمگساری ہے

اسے پُکار کے خود چھپ گیا ہوں میں محسنؔ
خبر نہیں یہ جنوں ہے کہ ہوشیاری ہے

O

کچھ بھی نہیں ہوتا ہے پھر بھی سامنے کیا کیا ہوتا ہے
اپنی بے خوابی کا عالم خواب ہی جیسا ہوتا ہے

ہم بھی اب یہ سوچ رہے ہیں جو ہوگا اچھا ہوگا
تم بھی سوچو جو ہوتا ہے سب کچھ اچھا ہوتا ہے

سارے کام بگڑ جاتے ہیں ایک ذرا سی غفلت سے
یا خاموشی ہو جاتی ہے یا ہنگامہ ہوتا ہے

وہ آئے تو اُس سے پوچھوں موسم کس کو کہتے ہیں
بھادوں کس کو کہتے ہیں اور ساون کیسا ہوتا ہے؟

حیرت یہ ہے اپنے گھر میں کوئی شے موجود نہیں
ہم نے اُس کو یاد کیا ہے دیکھیں اب کیا ہوتا ہے

کچھ خطروں کے پیشِ نظر ہم اُس گھر جانا کیوں چھوڑیں
جھوٹی ہو تعبیر تو کیا ہے خواب تو سچا ہوتا ہے

اکثر اہلِ دل عُجلت میں خود کو ضائع کرتے ہیں
عشق میں تو جو کچھ ہوتا ہے رفتہ رفتہ ہوتا ہے

اُس کے گھر جاتا ہوں میں تو سورج سے کیوں بیر رکھوں
پیڑ نہ ہو، دیوار نہ ہو، اپنا تو سایا ہوتا ہے

اپنا دل جب ٹوٹا محسنؔ تب یہ بات سمجھ میں آئی
اچھا خاصا انساں آخر کیوں دیوانہ ہوتا ہے

اے رہگزر کی ہوا گھر مجھے پہنچنے دے
دِیا جلانا ہے، آئینہ صاف کرنا ہے

O

سخنوری نہ سہی چیخنا ہی آجائے
کسی طرح تو وہاں تک مری صدا جائے

میں اس کے شہر میں آواز بھول آیا ہوں
مرا سخن ہے خموشی مجھے سُنا جائے

اِدھر اُدھر کے حوالوں سے جل رہا ہے وجود
سو اُس کے شہر میں کیسے قدم رکھا جائے

ہوا اُجاڑ رہی ہے عبارتوں کا جہاں
حروف سامنے آئیں تو کچھ لکھا جائے

بڑا سکوں ہے میسر مگر یہ خطرہ ہے
یہ بے خیالی مجھے راس ہی نہ آجائے

تو کیوں نہ اُس سے خیالوں میں ہی وصال کریں
کوئی بھی کام نہیں ہو تو کیا کِیا جائے

تباہ کر لیا خود کو تو اِس خیال میں ہوں
مری تباہی مری دسترس میں آجائے

سوال یہ بھی ہے زندہ رہیں تو کیوں محسنؔ
سوال یہ بھی ہے زندہ نہ کیوں رہا جائے

اگرچہ ہم ابھی بینائی کو نہیں سمجھے
بنالیا ہے مگر آئنہ نہ جانے کیوں

O

خود ہی تسلیم بھی کرتا ہوں خطائیں اپنی
اور تجویز بھی کرتا ہوں سزائیں اپنی

کوئی دیکھے تو اداکاریاں کرنا اُس کا
بند آئینے میں کرتی ہے ادائیں اپنی

میں سخن ور ہوں سو خاموش نہیں رہ سکتا
میں نے آنکھوں میں بسا لی ہیں صدائیں اپنی

کیا زمانہ تھا کہ ہم خوب جچا کرتے تھے
اب تو مانگے کی سی لگتی ہیں قبائیں اپنی

مال ہے پاس نہ ہم چرب زباں ہیں محسنؔ
شہر میں کس طرح پھر ساکھ بنائیں اپنی

○

محبت میں تقرب کے طریقے اور ہوتے ہیں
مقدر اور ہوتا ہے ستارے اور ہوتے ہیں

بدن کی کسمساہٹ لفظ کے معنی بدلتی ہے
سخن کچھ اور ہوتا ہے تقاضے اور ہوتے ہیں

محبت مجلسی باتوں سے کب پروان چڑھتی ہے
جو تہذیبیں بدلتے ہیں وہ قصّے اور ہوتے ہیں

سرابِ روز و شب اٹکھیلیاں کرتا ہے ہستی سے
اگر دھوکے میں آ جاؤ تو دھوکے اور ہوتے ہیں

دلوں میں جھانکنے والی نظر کچھ اور ہوتی ہے
نظر آتے نہیں جو، وہ تماشے اور ہوتے ہیں

ابھی تیری محبت گردشِ دوراں کی زد پر ہے
جو پس انداز ہوتے ہیں وہ لمحے اور ہوتے ہیں

تشکّک توڑ دیتا ہے رفاقت کرنے والوں کو
تیقّن کی فضاؤں کے بھروسے اور ہوتے ہیں

ہم اُس کو دیکھ کر آنکھیں جھکا لیتے ہیں اس ڈر سے
کہ جو تصویر ہوتے ہیں وہ لمحے اور ہوتے ہیں

بھٹکنے کے سوا کیا کیجیے ان رہگزاروں میں
جو منزل پر پہنچتے ہیں وہ رستے اور ہوتے ہیں

ہمیں لگتا ہے محسنؔ زندگی ہم سے نہیں ہو گی
اکیلے پن میں زندہ رہنے والے اور ہوتے ہیں

میں نے تو ایک بار بھی جھپکی نہیں پلک
حیراں ہوں کس طرح مرا سپنا بدل گیا

O

خیال و خواب کو پابندِ خوئے یار رکھا
سو دل کو دل کی جگہ ہم نے بار بار رکھا

اسے بھی میں نے بہت خود پہ اختیار دیے
اور اس طرح کہ بہت خود پہ اختیار رکھا

دُکھوں کا کیا ہے مجھے فکر ہے کہ اُس نے کیوں
بچھڑتے وقت بھی لہجے کو خوش گوار رکھا

ہوا چراغ بجھانے لگی تو ہم نے بھی
دیے کی لَو کی جگہ تیرا انتظار رکھا

چھپا کے رکھ لیے اندر کے اپنے دکھ محسنؔ
اور اپنی ظاہری حالت کو بھی سنوار رکھا

O

ہر اختلاف ترا رنج بن گیا ہے اب
مرا وجود ہی خود مجھ کو کھا رہا ہے اب

جو تم نے آگ لگائی تھی بُجھ چکی کب کی
مگر جو آدمی مجھ میں ہے وہ جلا ہے اب

نہیں ملو گے تو افواہ پھیل جائے گی
مرا وجود خموشی نہیں صدا ہے اب

وہ پاس تھا تو میں سنتا تھا، بولتا بھی تھا
تعلقات کا اندازہ ہو رہا ہے اب

جو دیکھتا ہے مجھے پیار کرنے لگتا ہے
اُداسیوں کا مری وصف تو کُھلا ہے اب

○

روا روی میں اُسے ہم نہ پا سکیں شاید
بہت سے کام ہمیں چھوڑنے پڑیں شاید

وہ چند قرب کے لمحے جو دربدر گزرے
محبتوں میں بھی تبدیلیاں کریں شاید

بدل گئی ہے ہر اک رہ گزار اُس گھر کی
تعلقات بھی بدلے ہوئے ملیں شاید

میں ٹوٹ پھوٹ سے خود کو بچا نہیں سکتا
ہے جن کو مجھ سے محبت وہ کچھ کریں شاید

تری گلی سے گذرتے ہیں اور سوچتے ہیں
تری گلی سے گذرنا بھی چھوڑ دیں شاید

زیاں کیا ہے بہت ہم نے تیری قربت کا
سو احتساب کی زد سے نہ ہم بچیں شاید

سوال کر کہ مسائل نگاہ میں آئیں
ہمارے ذہن کی بھی بندشیں کُھلیں شاید

جو پوچھنا ہے ابھی پوچھ لو تو اچھا ہے
پھر اس کے بعد تو ہم کچھ نہ کہہ سکیں شاید

بُرا ہے بُھول بھلیّوں میں کھیلنا محسنؔ
جو گُم ہوئے تو ہمیشہ ہی گُم رہیں شاید

تم اپنے پاس ہی رکھا کرو بینائی میری
بہت ہوتا ہے ان آنکھوں کو دھوکا شام کے بعد

O

مرا وجود رہا ہے کہاں مرے اندر
جگہ پکڑ گئے وہم و گماں مرے اندر

ہر ایک رنج کے اپنے الگ حوالے ہیں
بہت سی بن گئیں آبادیاں مرے اندر

وہ چاہتا ہے کہ باطن مرا نہ ظاہر ہو
سو قید کردیے لفظ و بیاں مرے اندر

چراغ و آئنہ کو منکشف نہیں کرتا
بسائے جاتا ہے وہ بستیاں مرے اندر

بہت سے واہمے ہیں تیرے انتظار کے ساتھ
رواں دواں ہیں کوئی کارواں مرے اندر

وہ جب بھی آتا ہے اک انقلاب لاتا ہے
بہت سی ہوتی ہیں تبدیلیاں مرے اندر

O

جب واہمے آواز کی بنیاد سے نکلے
گھبرائے ہوئے ہم سخن آباد سے نکلے

سمتوں کا تعین تو ستاروں سے ہُوا ہے
لیکن یہ ستارے مری فریاد سے نکلے

میں بیٹھ گیا خاک پہ تصویر بنانے
جو پیکر تھے مجھ میں وہ تری یاد سے نکلے

خود کو میں بھلا زیرِ زمیں کیسے دباتا
جتنے بھی کھنڈر نکلے وہ آباد سے نکلے

دل پہنچا اچانک ہی تیقن کی فضا تک
سب وہم و گماں عشق کی اسناد سے نکلے

میں درس اسے اب کوئی دیتا بھی تو کیسے
پہلے سے اُسے سارے سبق یاد سے نکلے

O

حیات کیا ہے؟ سراب آدھا، سوال آدھا، جواب آدھا
سو ہم نے اپنے ادھورے پن میں ہمیشہ دیکھا ہے خواب آدھا

ابھی ہماری اُداسیوں پر رفاقتوں کا اثر ہے شاید
ترے سوالوں کی مصلحت نے کِیا ہے خانہ خراب آدھا

ہماری سوچیں پہنچ نہ پائیں کسی تخیّل کی انتہا تک
سو ہم نے اپنی فنا کے ڈر سے کِیا ہے اپنا حساب آدھا

تبھی سے میرے مکاں کے اندر نہ تیرگی ہے نہ روشنی ہے
دِیا جلاتے ہوئے اچانک ہُوا تھا وہ بے حجاب آدھا

خیال رکھنا تمہاری ضد سے ہمارا سپنا نہ ٹوٹ جائے
خلل عبادت میں پڑ گیا تو ملے گا ہم کو ثواب آدھا

ہر ایک منظر ہے آدھا آدھا، ہر اک کہانی ہے آدھی آدھی
سو اپنے چہرے سے ہم نے محسنؔ ہٹا لیا ہے نقاب آدھا

O

چلو مانا تمہیں ہم چاہتے ہیں
مگر کچھ اور بھی تو مسئلے ہیں

گماں تھا بے خبر رہ لیں گے لیکن
پسِ ادراک بھی سو مرحلے ہیں

ہمیں آجائے گا محتاط رہنا
ترے خدشے ہمارے کام کے ہیں

عجب ڈر ہے تعلق ٹوٹنے کا
یقیں آیا ہے تو شک میں پڑے ہیں

حقیقت کے سوا جچتا نہیں کچھ
مگر ہم خواب پھر بھی دیکھتے ہیں

نہیں کُھلتے در و دیوار ہم پر
سو اک کونے میں گھر کے آپڑے ہیں

O

ہیں میری سوچ سے آگے تصرفات ترے
مجھے دُھواں نہ بنا دیں تعلقات ترے

کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں گا اتنی تعبیریں
تمام خواب صفت ہیں تکلّفات ترے

مرے وجود کا جمہور قید ہو جیسے
لوازماتِ اسیری ہیں التفات ترے

بدن کو توڑ رہی ہے سپردگی تیری
کہاں سنبھال کے رکھوں نوادرات ترے

عجیب ہے مری وحشت سے تیرا خوش ہونا
مرے حواس ہیں شاید لوازمات ترے

تغیراتِ مسلسل کا عکس ہوں جیسے
عجیب طرح کے ہوتے ہیں واقعات ترے

اُمیدِ قرب سے ہی ہوش اُڑنے لگتے ہیں
سمجھ سکیں گے کہاں ہم معاملات ترے

خدا گواہ ہے محسنؔ کہ تُو نہیں زندہ
پسِ وجود ہیں سارے مکاشفات ترے

اکیلے پن سے کوئی جنگ جیتنے کے لیے
بدن پہ اپنے مجھے خود ہی وار کرنا پڑا

O

واہمہ جب بھی کوئی سوچ میں آ جاتا ہے
آدمی خود سے بہت دور چلا جاتا ہے

بات تو عام سی ہوتی ہے پہ لہجہ اُس کا
ایک مخصوص سا احساس دلا جاتا ہے

اپنے گھر میں رہا جاتا نہیں ہم سے ورنہ
ایسے حالات میں تو گھر میں رہا جاتا ہے

آشنا گرمیٔ بازار سے کرتا ہے مجھے
اور خود بھیڑ میں گُم ہوتا چلا جاتا ہے

آپ اَن دیکھے مناظر کی صراحت نہ کریں
ہم کو معلوم ہے گُم کیسے ہُوا جاتا ہے

ہاتھ پر ہاتھ رکھا اُس نے تو معلوم ہُوا
اَن کہی بات کو کس طرح سُنا جاتا ہے

جب بھی ہوتا ہے کسی دکھ کا مداوا محسنؔ
دوسرا رنج مرے سامنے آجاتا ہے

O

اِدھر اُدھر کی نہ کر گفتگو ہماری طرح
کہاں پھرے گا خرابوں میں تُو ہماری طرح

کچھ اس لیے بھی ترے پاس ہم نہیں رہتے
نہ منتشر ہوں ترے رنگ و بُو ہماری طرح

تمہیں تو اور بہت کام زندگی کے ہیں
وصال کی نہ کرو آرزو ہماری طرح

ہزار کارِ ہنر بے گھری سے نکلیں گے
کوئی پھرے تو ذرا کُو بہ کُو ہماری طرح

ہنسی مذاق بھی کرتے رہا کرو ورنہ
بدل نہ جائے تمہاری بھی خُو ہماری طرح

اُسے بھی ہوش میں رہنے کا خبط ہے محسنؔ
وہ توڑ دیتا ہے جام و سبُو ہماری طرح

O

خود بخود آ گیا اجناس کو مہنگا ہونا
اب تو بازار کو جانا بھی ہے رُسوا ہونا

جو بھی دیکھے وہی مشکوک نظر سے دیکھے
ایک گالی ہے زمانے میں اکیلا ہونا

میرے افہام کی تفہیم کو رد کرتا ہے
اُس کی آنکھوں سے تجسّس کا ہویدا ہونا

مجھ کو حالات پہ قابو نہیں پانے دیتا
دوسرے لمحے ہر اک پل کا گزشتہ ہونا

راہگیروں سے تصادم کا سبب بنتا ہے
تجھ سے ملنے کا اچانک ہی ارادہ ہونا

عشق پھر پوری توجہ سے کِیا جاتا ہے
یعنی اچھا ہے بچھڑ جانے کا خدشہ ہونا

O

ہوتا ہے نہ ہونے میں بھی کیا کیا کسے معلوم
کس شخص نے کیا خواب میں دیکھا کسے معلوم

فریاد کی خواہش نے سفر میں ہمیں رکھا
ورنہ ترے دربار کا رستہ کسے معلوم

جو ہے اُسے ہونے کے حوالے سے ہی دیکھو
موجود سے آگے ہے بھلا کیا کسے معلوم

مشہور ہے دروازے پہ دستک کی کہانی
دیوار میں در ہونے کا قصّہ کسے معلوم

گُم لگتے ہیں تنہائی میں اپنے لب و عارض
کیا کہتا ہے آئینے سے چہرہ کسے معلوم

سب کہتے ہیں ہم تیرے لیے اہل نہیں ہیں
کیا کیا ہیں مسائل پسِ پردہ کسے معلوم

○

مرے وجود کے اندر اِدھر اُدھر کچھ ہے
خبر نہیں یہ گُماں ہے کہ ڈر مگر کچھ ہے

ہر ایک شہر الگ ہے ہر ایک دشت الگ
پہ ایک جیسی تپسیا نگر نگر کچھ ہے

وصال کرنے چلے تھے سرِ فراق چلے
تقاضا کچھ ہے سفر کا مگر سفر کچھ ہے

تضاد ہائے طبیعت ہے عارضہ میرا
علاج کچھ ہے دوا کچھ ہے اور اثر کچھ ہے

ہر اصطلاح تعلق کی خود شمار ہوئی
مکین کچھ ہے، مکاں کچھ ہے، رہگزر کچھ ہے

تو کیا چراغ جلایا نہیں ابھی اُس نے
فضا کا رنگ اِدھر کچھ ہے اور اُدھر کچھ ہے

اُسی نے پیار کیا تھا اداس بھی ہے وہی
مگر یہ بوجھ ہماری بھی جان پر کچھ ہے

میں اپنے گھر میں مہاجر کی مثل ہوں محسنؔ
ہیں اور کچھ درودیوار اور گھر کچھ ہے

اچھے موسم میں بُرا وقت گزارا ہے بہت
ہجر کو ہجر سمجھنے میں خسارا ہے بہت

O

ایسا کہے مجھے کبھی ویسا کہے مجھے
کیا دور ہے کہ دوست بھی رُسوا کرے مجھے

کیا ہو کسی سے رابطہ کیا آشنائی ہو
اپنی طرح بدلتا ہے ہر پل سمے مجھے

اِس خوفِ التفات کی لذّت بھی ہے عجب
کیا ہو جو اس کے گھر میں کوئی دیکھ لے مجھے

ایسا نہیں کہ جان طلب آشنا نہیں
میں چاہتا ہوں زندگی آواز دے مجھے

کیوں روکتے ہیں مجھ کو یہ دیوار و دَر و بام
کیوں کھینچتے ہیں اپنی طرف راستے مجھے

تیرے تعلقات پہ شک تو نہیں کوئی
اندر سے توڑتے ہیں مگر واہمے مجھے

میں کیسے زندگی کو پسِ پُشت ڈالتا
مجھ سے زیادہ لوگ پریشاں ملے مجھے

کیا رنگ لائے دیکھیے معصومیت کا دُکھ
ہر شخص ہی پکارتا ہے پیار سے مجھے

پوچھا جو میں نے میرِ شبستاں کِسے بناؤں
آواز ہر طرف سے ہی آئی مجھے! مجھے

محسوس کر کے دیکھ میں کتنا قریب ہوں
خود میں سموئے رکھتے ہیں یہ فاصلے مجھے

اچھا کیا مجھے، سو یہ تم نے بُرا کیا
آئے گا کون گھر مرے اب دیکھنے مجھے

ہذیان بک رہا ہوں سخن کے بجائے میں
تنبیہہ کر رہا ہوں کہ مجنوں سُنے مجھے

O

کارِ آسان کو دُشوار بنا جاتا ہے
واہمہ کوئی بھی ہو کام دِکھا جاتا ہے

کُھلنے لگتے ہیں نگاہوں پہ جب اسرار و رموز
دل مجھے لے کے کہیں اور چلا جاتا ہے

گھر میں رہنا مرا گویا اُسے منظور نہیں
جب بھی آتا ہے نیا کام بتا جاتا ہے

سادہ رکھنے سے صدا دیتا ہے قرطاس مجھے
لفظ لکھ دوں تو مری ساکھ گرا جاتا ہے

عشق نے ایسا بنایا ہے جہاں دار مجھے
ہر خسارہ مری سوچوں میں سما جاتا ہے

آؤ ہم پہلے تعلق کو سمجھ لیں محسنؔ
رنجشیں ہوں تو مراسم کا مزا جاتا ہے

O

اچھا تو کبھی آگ بنا اپنے سخن کو
پھر طرفہ تپش دور سے دے میرے بدن کو

یہ دور نیا دور ہے انگاروں سے کھیلو
گلداں میں سجاتے ہو کہاں سر و سمن کو

توڑے ہے کوئی پھول تو روندے کوئی سبزہ
اک کھیل بنا رکھا ہے لوگوں نے چمن کو

مُفلس بھی ہیں ایسے کہ خودی رونے لگی ہے
فن ہوتا اگر پاس تو ہم بیچتے فن کو

وہ توڑ گئی طیش میں خوابوں کی قطاریں
میں تھام کے بیٹھا رہا سورج کی کرن کو

اک روشنی سی ہونے لگی دور کھنڈر میں
جب ہم نے چھپا کے رکھا دیوار میں دَھن کو

وہ لے بھی گئی مجھ سے مرا وصل چُرا کر
دیتا ہی رہا آئنہ تحریک بدن کو

O

مجھے جہاں سے نہ یوں سرسری گزارا جائے
مرے خدا! مجھے آواز دے کے مارا جائے

اُدھر زمان و مکاں ہیں اِدھر ہے میرا وجود
سوال یہ ہے کہ پہلے کسے سنوارا جائے

محبتوں کا سفر رائیگاں نہیں کرنا
اُدھر چلو کہ جدھر ٹوٹ کر ستارا جائے

یہ ٹھیک ہے میں مقدر سے لڑ نہیں سکتا
دکھوں کو دل میں مگر کس طرح اُتارا جائے

مجھے بتا کہ تری مشورت ضروری ہے
شکست خود سے میں کھاؤں کہ تجھ سے ہارا جائے

نکل کے دشتِ محبت سے اس خیال میں ہوں
بقایا عمر کا حصہ کہاں گزارا جائے

یہ تیرگی تو صدا کو تباہ کر دے گی
چراغ ہاتھ میں لے کے اُسے پکارا جائے

اُسے پسند ہیں گُل بھی ہَوا بھی خوشبو بھی
سو اب کے اپنا کوئی اور روپ دھارا جائے

کل رات میں نے خود سے کوئی گفتگو نہ کی
ہمسائے نے بھی گھر میں چراغاں نہیں کیا

O

انسان ہیں، ناقدریٔ انساں نہ کریں گے
دشمن کو بھی ہم اپنے ہراساں نہ کریں گے

اچھا تو چلو آج سے خوددار بنا جائے
اک دوجے پہ اب ہم کوئی احساں نہ کریں گے

دریا کو بھی رکھیں گے نہ کوزے میں اٹھا کر
سیلاب کو بھی بے سروساماں نہ کریں گے

اتنا ہی نظر آئیں گے ہم دیکھو گے جتنا
تم آؤ کبھی ، ہم تمہیں حیراں نہ کریں گے

برداشت تو کرلیں گے مکیں ہونے کی وحشت
پر اپنے مکاں کو کبھی ویراں نہ کریں گے

تاخیر ہوئی ہم سے یہ ثابت تو کرو تم
اب خود ہی تو ہم خود کو پشیماں نہ کریں گے

توڑیں گے بھرم ہم نہ کبھی بندِ قبا کا
عریاں جو نہیں ہے اُسے عریاں نہ کریں گے

کیا عشق کریں تم سے کہ تم، تم ہی نہیں ہو
ہم مفت میں ضائع تو دل و جاں نہ کریں گے

تری محفل میں رہنے کے علاوہ
سبھی آوارگی کی صورتیں ہیں

O

مکافاتِ دل و دُنیا کروں گا
وہ اب کے آئی تو سودا کروں گا

ضرورت ہے کہ ہنگامہ کِیا جائے
مگر کب تک میں ہنگامہ کروں گا

تو کیا وہ غائبانہ ہی ملے گی
تو کیا میں خواب ہی دیکھا کروں گا

جو اب دُنیا نے اُس کو دکھ دیے تو
میں دُنیا کو تہہ و بالا کروں گا

اُسے کہنا کہ میں حساس بھی ہوں
جو پاگل ہوگیا تو کیا کروں گا

ابھی تو روشنی ہی کی ہے میں نے
ابھی تم دیکھنا کیا کیا کروں گا

مرے جذبات گر مر بھی گئے تو
دوبارہ پھر انہیں زندہ کروں گا

میں وحشی ہوں مجھے آزاد مت کر
کبھی ایسا کبھی ویسا کروں گا

نہ منصوبے بنا شام و سحر کے
میں اتنی زندگی کا کیا کروں گا

تجھے رُکنا ہے میرے گھر تو رُک جا
مگر میں بند دروازہ کروں گا

نہیں ہے اور کوئی گھر میں محسنؔ
جو ڈر لگنے لگا تو کیا کروں گا

O

تو کیا وہ مجھ سے جدا ہے؟ مجھے نہیں معلوم
یہ حادثہ بھی ہُوا ہے! مجھے نہیں معلوم

مجھے تو اتنی خبر ہے کہ سانس لینا ہے
یہ حبس ہے کہ ہوا ہے مجھے نہیں معلوم

مری نظر میں مرے قلب وجاں سلامت ہیں
دھواں کہاں سے اُٹھا ہے مجھے نہیں معلوم

مرے وجود نے شاید کوئی دعا کی ہے
یہ چیخ ہے کہ صدا ہے مجھے نہیں معلوم

میں ہونے والے گناہوں سے چُھپ کے بیٹھا تھا
لباس کیسے پھٹا ہے مجھے نہیں معلوم

وہ ہو رہا ہے جو میں کررہا ہوں اور پھر بھی
جو ہو رہا ہے یہ کیا ہے مجھے نہیں معلوم

شکست سامنے رکھ کر اُٹھائی ہے تلوار
یہ خوف ہے کہ انا ہے مجھے نہیں معلوم

نہ جانے کیسے مجھے عشق ہوگیا اُس سے
دھمال کیسے پڑا ہے مجھے نہیں معلوم

اُٹھا میں سو کے تو میں تھا نہ عارضہ کوئی
علاج کس نے کِیا ہے مجھے نہیں معلوم

مجھے تو اپنے مسیحا سے ہے غرض محسنؔ
یہ زہر ہے کہ دوا ہے مجھے نہیں معلوم

کیا بات چھپا رکھی ہے تُو نے سرِ مژگاں
چہرے پہ ترے انجمن آرائی بہت ہے

O

غمِ آئندگی سے ڈر رہے ہیں
تو پھر ہم کیوں محبت کر رہے ہیں

یہ کیسے ہیں زمیں پہ رہنے والے
زمیں کو ہی پریشاں کر رہے ہیں

مجھے تو خیر سے مارا گیا ہے
مگر وہ لوگ جو خود مر رہے ہیں!

میں حیراں ہوں اُجالا کیوں نہیں ہے
اندھیرے آدمی سے ڈر رہے ہیں

نہیں ہیں زیست کی فہرست میں ہم
مگر ہم زندگی تو کر رہے ہیں

O

مٹی ہو کر عشق کِیا ہے اک دریا کی روانی سے
دیوار و در مانگ رہا ہوں میں بھی بہتے پانی سے

بے خبری میں ہونٹ دیے کی لَو کو چومنے والے تھے
وہ تو اچانک پھوٹ پڑی تھی خوشبو رات کی رانی سے

وہ مجبوری موت ہے جس میں کاسے کو بنیاد ملے
پیاس کی شدت جب بڑھتی ہے ڈر لگتا ہے پانی سے

دنیا والوں کے منصوبے میری سمجھ میں آئے نہیں
زندہ رہنا سیکھ رہا ہوں اب گھر کی ویرانی سے

جیسے تیرے دروازے تک دستک دینے پہنچے تھے
اپنے گھر بھی لوٹ کے آتے ہم اتنی آسانی سے

ہم کو سب معلوم ہے محسنؔ حال پسِ گرداب ہے کیا
آنکھ نے سچے گُر سیکھے ہیں سورج کی دربانی سے

○

ڈھلی ہے عمر کہ وقعت نہیں رہی اپنی
عجیب صورتِ احوال ہو گئی اپنی

وہ دل جو دوست تھا میرا نہیں رہا مجھ میں
نہ بے خودی رہی اپنی نہ آگہی اپنی

ہماری ساکھ ہی قائم ہماری چُپ سے ہے
بہت کہانیاں رکھتی ہے اَن کہی اپنی

عجیب عشق نے دی لذتِ وجود مجھے
خدا بھی خوب کراتا ہے بندگی اپنی

نہ جانے کیوں مری موجودگی سے خائف ہے
چراغ مجھ سے چھپاتا ہے روشنی اپنی

اسی اُمید پہ شاید کہ پھر ملیں تجھ سے
بہت سنبھال کے رکھی ہے زندگی اپنی

عجیب دل ہے غموں کے نگار خانے میں
تلاش کرتا ہے کھوئی ہوئی خوشی اپنی

کُھلی فضا میں چلیں کیا کسی کا ڈر محسنؔ
جو ہونی تھی وہ تباہی تو ہو چکی اپنی

پگھل جاتا ہے اندر سے بدن پہلی ہی خواہش میں
مگر آنسو نکلنے میں ذرا تاخیر ہوتی ہے

○

جب اس تماشا گر نے تماشا بدل دیا
میں نے بھی دیکھنے کا ارادہ بدل دیا

ہم نے بھی حسبِ حال تری رائے کی طرح
سچ بولنے کا اپنا طریقہ بدل دیا

وحشت نہیں تھی مسئلہ آراستگی کا تھا
بالوں کی کاٹ چھانٹ نے چہرہ بدل دیا

خط کا جواب تو نہیں اُس نے دیا مگر
کھڑکی پہ جو پڑا تھا وہ پردہ بدل دیا

O

محبت کی ہے تو رُسوا نہ ہونا
مگر بالکل پسِ پردہ نہ ہونا

مرے چہرے کو بے چہرہ نہ کردے
یہ تیرا آئنہ جیسا نہ ہونا

نئے شبہات پیدا کر رہا ہے
ہماری بات کا پورا نہ ہونا

بہت پچھتائے ہم بیمار ہو کر
تماشا بن گیا اچھا نہ ہونا

اشارہ ہے غمِ آئندگی کا
تری قربت میں آسودہ نہ ہونا

نہیں ہے شہر جیسا شہر محسنؔ
مگر صحرا کا بھی صحرا نہ ہونا!

○

پکارنے کی طرح کب اُسے پکارا ہے
ابھی تو لہجہ و آواز کو سنوارا ہے

میں اُس کے سامنے خاموش بیٹھا رہتا ہوں
خبر نہیں یہ منافع ہے یا خسارا ہے

تم اپنے رزق کو ہم سے چھپا کے مت رکھنا
گزر بسر کا طریقہ الگ ہمارا ہے

خدا نے اپنے تئیں روشنی اُتاری تھی
کہ آدمی نے اندھیرا تو خود اُتارا ہے

عبث ہے جنبشِ ابرو کا منتظر رہنا
جو بات دھیان میں آئے وہی اشارا ہے

ہمارے قرب میں گزرے ہیں اچھے دن اس کے
یہ اور بات ہمیں وقت نے گزارا ہے

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں مگر نہیں ہیں ہم
ہمارا گھر ہے مگر اس میں کیا ہمارا ہے

یہ اختلاف جو ہم کر رہے ہیں آپس میں
نہ کچھ ہمارا ہے اس میں نہ کچھ تمہارا ہے

جو زیرِ تیغ تھا محسؔن وہی مقدر تھا
لہو جو ٹپکا زمیں پر وہی ستارا ہے

جتنا مجھے سفر کے لیے وقت چاہیے
اتنا وہ انتظار کرے گا بھی یا نہیں

O

یہ چاہتی ہے طبیعت کہ کچھ کیا جائے
دوبارہ عالمِ موجود میں چلا جائے

بس اک دھواں سا خیالوں کی ٹوٹ پھوٹ کا ہے
مگر یہ خواب اُسے بھی دکھا دیا جائے

میں چاہتا ہوں کہ زندہ رہوں ثبوت کے ساتھ
سو اپنی ہار کا اعلان کر دیا جائے

خبر نہیں کہ اُسے مجھ سے پیار ہے کہ نہیں
مرا خیال ہے معلوم کر لیا جائے

نہ جانے کون سا سچ کس گھڑی سماعت ہو
خموشیوں کو بہت غور سے سُنا جائے

غمِ حیات سے نمٹیں کہ اس کا دل رکھیں
بہت سے کام ہوں یکجا تو کیا کیا جائے

پھر اُس کا دھیان مجھے آ رہا ہے شدت سے
سو اب کے دیکھو مری دسترس سے کیا جائے

اُداس رہنا گوارا نہیں مجھے لیکن
رہا نہ جائے تو خوش کس طرح رہا جائے

جو ہو رہا ہے اسے سازگار کرنے کو
جو ہو چکا ہے اُسے دھیان میں رکھا جائے

صدا ہو کوئی بھی اپنی جگہ بناتی ہے
بلا مبالغہ کہہ دو جو کچھ کہا جائے

ترے فراق کی عادت سی ہوگئی ہے مجھے
مجھے یہ ڈر ہے کہیں نیند ہی نہ آجائے

O

کل رات وہ جھگڑتی رہی بات بات پر
اور میں کتاب لکھتا رہا کائنات پر

کیا سوچیے کہ سوچ سے آگے ہے زندگی
پہرے لگا رکھے ہیں کسی نے حیات پر

کیا داستاں سنائیے اس کے وصال کی
کیا تبصرہ کرے کوئی صحرا کی رات پر

شاید مری اَنا مرے لہجے پہ ہے محیط
شک ہو رہا ہے اس کو مرے التفات پر

تیرے بغیر لگتا ہے گویا یہ زندگی
تنقید کر رہی ہے مری خواہشات پر

پھر اس نے میری خُو میں مجھے قید کر دیا
اک خواب سا لپیٹ دیا میری ذات پر

وحشت کوئی ضرور ہے مجھ میں چُھپی ہوئی
بھرتی ہے چٹکیاں جو مرے بات بات پر

محسنؔ گئے دنوں کے حوالے سے ان دنوں
ہم غور کر رہے ہیں نئے واقعات پر

وہ گھر بدل گیا مگر اس کی گلی کے لوگ
لوگوں کو میرے واسطے روتے ہوئے ملے

○

عشق کو انہونیوں کی بے شماری چاہیے
اُس کے ہر لمحے کو میری عمر ساری چاہیے

دکھ وہی ہے کام کا محسوس جو شدت سے ہو
اور اس شدت میں بھی اک بے قراری چاہیے

اُوپری خوش فہمیوں سے کب ملا دل کو سکوں
جسم و جاں کو داخلی منظرنگاری چاہیے

وصل کی آمادگی کو مصلحت آمیز کر
کچھ رضا مندی کے پیچھے ناگواری چاہیے

یہ تو سب ہی جانتے ہیں چاہتے ہیں ہم تمہیں
کچھ ہمیں اپنے تئیں بھی رازداری چاہیے

اصل میں اچھا وہی ہے جس کو سب اچھا کہیں
دین داری کے لیے بھی دنیا داری چاہیے

اب اُسے درکار ہے مجھ پر ہمہ وقت اختیار
اور مجھ کو مہلتِ بے اختیاری چاہیے

O

خط میرے لب و چشم پہ تحریر کیے جا
زنجیر سے زنجیر کو زنجیر کیے جا

شاید مرے اندر سے کوئی چاند نکل آئے
اے خاورِ شب تو مجھے تسخیر کیے جا

ٹوٹے ہوئے لفظوں کی صراحت ہے ضروری
میں چپ ہی رہوں اور تُو تقریر کیے جا

کب تک در و دیوار گرائیں گی ہوائیں
بس حسرتِ تعمیر کو تعمیر کیے جا

تقدیر وہی ہے کہ جو آجائے میسر
تو ہم سے ملاقات کی تدبیر کیے جا

تسکین کے پہلو میں بھی امکانِ طلب رکھ
عجلت کے حوالے سے بھی تاخیر کیے جا

O

ہر روز ہی میں آتا ہوں صحرا سے نکل کے
رکھ جاتا ہوں گھر میں تری تصویر بدل کے

ہونا بھی عجب اور نہ ہونا بھی عجب ہے
خدشے نظر آتے ہیں مجھے خواب میں ڈھل کے

اچھا ہے کہ ہم آج کوئی جشن منا لیں
کیا جانیے کیسے در و دیوار ہوں کل کے

آوازہ کوئی کستا ہے ہم پہ تو کسے جائے
کب ہوش میں رہتا ہے کوئی گھر سے نکل کے

ناگفتنی چُھو چُھو کے گزرتی رہی مجھ کو
وہ گفتگو کرتی رہی آواز بدل کے

غُصّے میں سرِ دشت قدم میں نے جو رکھا
آئی مرے چہرے کی طرف خاک اُچھل کے

کس روح کی بے چینیاں سورج سے گری تھیں
آسیب زدہ ہوگئیں پرچھائیاں جل کے

افواہ کوئی زیرِ زمیں پھیلی ہے شاید
بیٹھے ہیں یہاں لوگ جو خیموں سے نکل کے

بستر پہ کوئی اُس کی اداکاری تو دیکھے
آیا ہو کوئی جیسے بہت دُور سے چل کے

بے سماعت کردیا ہے خود کلامی نے مجھے
تو بتا کیا اب بھی سناٹا ہے سارے شہر میں

O

بُرے دنوں کو بھی اچھا شمار کرنا پڑا
ہمیں بھی آگ کے دریا کو پار کرنا پڑا

بس ایک شخص کے گھر جا کے لوٹنے کے لیے
بہت طویل سفر اختیار کرنا پڑا

ہم اپنے طور کبھی زیست کر نہیں پائے
تمام عمر ترا انتظار کرنا پڑا

اکیلا پن مرا مجھ کو تباہ کر دیتا
معاف کرنا! مجھے تم سے پیار کرنا پڑا

جدائیوں میں تری قربتوں کی یاد آئی
تو ایک رقص سرِ رہ گزار کرنا پڑا

رفاقتوں پہ کبھی بات اس نے کی ہی نہیں
خود اپنی رائے پہ ہی انحصار کرنا پڑا

بہت وصال کے وعدے کیے مگر افسوس
محبتوں میں بھی ہم کو اُدھار کرنا پڑا

O

ضامن نہ تھا کوئی تو ضمانت نہیں ہوئی
یعنی کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہوئی

جب دل دُکھا تو میں نے نظریہ بدل لیا
افسوس تو ہُوا کبھی وحشت نہیں ہوئی

اک دن پڑی خدا کی ضرورت اوراس کے بعد
محسوس کوئی اور ضرورت نہیں ہوئی

خود پر ہنسی نہ آئے تو سمجھو نہیں ہے عشق
روئے نہ دل اگر تو عبادت نہیں ہوئی

قربت میں تیری دل تو دھڑکتا رہا بہت
لیکن کسی سوال کی ہمت نہیں ہوئی

میری نظر میں ''ہونا'' نہ ہونے کا عکس ہے
اور اس لیے مجھے کبھی حیرت نہیں ہوئی

○

مرے وجود کا ہر لازمہ سوالی ہے
یقین کر مرا کشکول اب بھی خالی ہے

عجب شکستِ تحیّر بکف دھماکا تھا
پتا چلا کہ ہر اک واقعہ خیالی ہے

بطورِ خاص ابھی تک تو کچھ ہوا ہی نہیں
مری طرح مری دنیا بھی لااُبالی ہے

عجیب دل ہے دھڑکتا نہیں کسی کے لیے
عجیب زیست ہے کہ زندگی سے خالی ہے

بھلے لگے ہیں مجھے گھاس پُھوس والے لوگ
سو میں نے خود بھی یہاں جھونپڑی بنالی ہے

میں سارا دن کی کمائی سے ہاتھ دھو بیٹھا
کہا جب اس نے کہ اب شام ہونے والی ہے

ہمارے پینے کا پانی بھی لے گیا سیلاب
کوئی بتائے کہ یہ کیسی خشک سالی ہے

مگر وہ کیا مرے دستِ سوال میں ڈالے
ہر اک سوال مرا مصلحت سے خالی ہے

تمہیں یہ حق ہی نہیں ہم سے تم بچھڑ جاؤ
تعلقات کی بنیاد ہم نے ڈالی ہے

میں کیا کروں مجھے کیا کیا سمجھ لیا اُس نے
سو میرا مسئلہ اب اُس کی خوش خیالی ہے

فضول ہے لب و عارض سنوارنا تیرا
مری نگاہ کہیں اور جانے والی ہے

ابھی تلک تو ہمیں ٹوٹ پھوٹ جانا تھا
ہماری بات ہی محسنؔ مگر نرالی ہے

O

اُدھیڑ بن میں خیالات کی پڑے رہیے
عجیب زیست ہے ہر وقت سوچتے رہیے

توہمات کی در پردگی سے لڑتے ہوئے
مطالبات کے شوکیس میں سجے رہیے

کبھی کبھی تو عجب واقعہ گزرتا ہے
بلاسبب بھی سرِ رہگزر کھڑے رہیے

بگڑ گئی جو طبیعت تو پھر نہ سنبھلے گی
یہاں کی آب و ہوا میں گھلے ملے رہیے

مکاں نہیں ہے میسر تو کوئی بات نہیں
خود اپنی ذات میں دیوار و در بنے رہیے

یہ زندگی ہے جسے مل گئی غنیمت ہے
جگہ جہاں بھی ملے بس وہیں کھڑے رہیے

O

اُس کے چہرے سے عیاں رنگِ قرابت ہی نہیں
اس کا مطلب ہے اسے مجھ سے محبت ہی نہیں

کیا دکھوں کا مرے اندازہ لگائے کوئی
میرے چہرے پہ عیاں ایسی علامت ہی نہیں

کیسی ہستی ہے کہ بے چین کیے رہتی ہے
کیسی دُنیا ہے یہاں کوئی سہولت ہی نہیں

خواہشیں اس نے جبلت میں کہاں چھوڑی ہیں
ایسا لگتا ہے مری کوئی ضرورت ہی نہیں

مجھ پشیمانِ تعلق کا کرے کون علاج
میرا آزار خجالت بھی ہے وحشت ہی نہیں

زیب دیتا ہے مجھے عشق میں وحشت کرنا
میں نے دھوکے بھی چھپائے ہیں حقیقت ہی نہیں

ہم کو تنہا ہی سہی جنگ تو لڑنا ہوگی
ظلم برداشت کریں ایسی طبیعت ہی نہیں

کچھ بھی معلوم ہوا جب تو یہ معلوم ہوا
علم بھی ہوتا ہے آزار، جہالت ہی نہیں

شہر کی آب و ہوا سے تو یہی ظاہر ہے
آب و دانے کو مرے میری ضرورت ہی نہیں

مستند کر مرے ہونے کو محبت کی طرح
تجھ سے کچھ اور بھی درکار ہے قربت ہی نہیں

کس کو آئے گا یقیں ہم ہی ہیں محسؔن اسرار
اپنی اس شہر میں تو کوئی ضمانت ہی نہیں

O

ہم اپنے ذہن پر پہلے اسے طاری کریں گے
پھر اس کے بعد اپنے قلب کو جاری کریں گے

ہم اپنے ظاہر و باطن کا اندازہ لگالیں
پھر اس کے سامنے جانے کی تیاری کریں گے

محبت ہم سے اس کو ہوگئی تو ٹھیک ورنہ
ہم اپنی ساکھ رکھنے کو اداکاری کریں گے

اب ایسی مفلسی میں کیا کہیں ہو آنا جانا
مگر کب تک ہم اس سے عذرِ بیماری کریں گے

مرے کس کام کے ہیں اب یہ کوّے اور کبوتر
عبث برباد گھر کی چاردیواری کریں گے

بہت اچھا تری قربت میں گزرا آج کا دن
بس اب گھر جائیں گے اور کل کی تیاری کریں گے

یہاں اب لوگ محسنؔ زندگی کرتے کہاں ہیں
ذرا سے دکھ میں روئیں گے عزاداری کریں گے

○

وہ خود پرست بھی ہے زندگی شناس بھی ہے
اسے خبر ہے مرا دل بہت اداس بھی ہے

محرکات اشارت میں قید ہیں ورنہ
یہاں تو آبِ رواں بھی ہے اور پیاس بھی ہے

فنا بھی روئے گی شاید مجھے فنا کر کے
مرے وجود میں دل بھی ہے دل میں آس بھی ہے

یہ ہم نے ''ہاں'' کی جگہ لکھ دیا ہے جو ''شاید''
یہ اک طویل کہانی کا اقتباس بھی ہے

برابری کا تعلق میں اس سے کیا رکھوں
چھپا ہوا مری آنکھوں میں التماس بھی ہے

میں اس کے جھوٹ میں سے سچ نکال لاتا ہوں
میں جانتا ہوں کہ وہ مصلحت شناس بھی ہے

اسے خبر ہے کہ کیسے چراغ جلتے ہیں
کہ یہ کمالِ ہنر تو ہوا کے پاس بھی ہے

ہماری برتری قائم دکھوں سے ہے ورنہ
ہمارے پاس ہے جو کچھ وہ اس کے پاس بھی ہے

مری شکست کی واضح دلیل ہے پھر بھی
یہ بازگشت مرے عشق کی اساس بھی ہے

کبھی مکان کو صحرا نہیں کہا میں نے
اسی لیے تو مرے جسم پر لباس بھی ہے

اسے بتاؤ کہ محسنؔ ابھی میں زندہ ہوں
رگوں میں خون بھی ہے ہڈیوں پہ ماس بھی ہے

O

جبیں شرمندگی سے پانی پانی ہو رہی ہے
جنوں کی ختم اب شاید کہانی ہو رہی ہے

مرے خدشات ان آنکھوں سے ظاہر ہو رہے ہیں
عجب انداز سے نقلِ مکانی ہو رہی ہے

سناتا پھر رہا ہوں دوستوں کو اس کے قصے
خزاں کے دور میں بھی باغبانی ہو رہی ہے

ہیں جتنے رنگ سب آپس میں ملتے جا رہے ہیں
مکانوں میں بھی پیدا لامکانی ہو رہی ہے

بظاہر زیست کرتے ہیں مگر ہم زندہ کب ہیں
یہ سب کچھ تو فنا کی ترجمانی ہو رہی ہے

خلا میں بھی در و دیوار دیکھے جا رہے ہیں
زمیں بھی ان دنوں کچھ آسمانی ہو رہی ہے

O

ہم اس کو پاتے ہوئے خود کو کھونے لگتے ہیں
بہت سے واقعے اک ساتھ ہونے لگتے ہیں

اتار دیتے ہیں خوش فہمیوں کا بار تو پھر
ہم اپنے واہموں کا بوجھ ڈھونے لگتے ہیں

یہ سوچتے ہیں کہ ہم اب کبھی نہ روئیں گے
پھر اس کے بعد اچانک ہی رونے لگتے ہیں

نہ جانے کیوں اُسے آواز جب بھی دیتا ہوں
یہ آسمان و زمیں ایک ہونے لگتے ہیں

بھرم تو رکھنا ہی پڑتا ہے اس کی محفل کا
بغیر کھائے پیئے ہاتھ دھونے لگتے ہیں

ہم اپنے عشق میں شاید ابھی ادھورے ہیں
بلا جواز پریشان ہونے لگتے ہیں

○

یہ کیسا حشر برپا ہو رہا ہے
مری دنیا تجھے کیا ہو رہا ہے

نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں
مگر سورج پُرانا ہو رہا ہے

فضا خاموش ہے اور میں بھی چُپ ہوں
مگر اک مشورہ سا ہو رہا ہے

مضافاتی ہوں پھر بھی سوچتا ہوں
نہ جانے شہر میں کیا ہو رہا ہے

خدا آباد رکھے اِس زمیں کو
جسے دیکھو ستارہ ہو رہا ہے

ہوائیں لے گئیں رستے اُڑا کر
مسافر پارہ پارہ ہو رہا ہے

مرے اندر بھی اور باہر بھی محسنؔ
تماشا ہی تماشا ہو رہا ہے

O

کیا ملا دل میں اس کے گھر کر کے
زندہ رہنا پڑا ہے ڈر ڈر کے

اُس سے اپنے عجب مراسم ہیں
ان گنت در ہوں جیسے اک گھر کے

مجھ کو محسوس ہوتا ہے "میں ہوں"
دیکھتی ہے وہ جب نظر بھر کے

حادثے بے سبب نہیں ہوتے
کچھ مراسم ہیں خیر سے شر کے

میں تو ہجرت بھی کر نہیں سکتا
ایسے حالات ہیں مرے گھر کے

بھوک اور پیاس کو یونہی مت جان
مسئلے ہیں یہ زندگی بھر کے

سب کو دے دو بنا کے شمشیریں
سب طلبگار ہیں مرے سر کے

رزق گھر بیٹھے تو نہیں آتا
کچھ کیا بھی تو کر دعا کر کے

دل میں جب تم ہو مجھ کو حیرت ہے
کیسے آئے خیال باہر کے

جنوں کا دور ہے ملتے رہا کر
کہیں دُنیا سے ہم ٹکرا نہ جائیں

O

زہر پی لوں میں تیرے پیالے سے
زیست کر تُو مرے حوالے سے

رات مصنوعی ہے دِیے نہ جلا
آگ لگ جائے گی اُجالے سے

ایسے بازار میں کھڑے ہیں چُپ
جیسے ہم بھی ہوں بِکنے والے سے

اک دھماکا سا اور خاموشی
اُڑ رہے ہیں فضا میں گالے سے

سوچتا ہوں تو ذہن میں محسنؔ
پھوٹ جاتے ہیں پڑ کے چھالے سے

O

یہاں موجود ہوں گر میں تو پھر تُو کیوں نہیں ہے
مری خوشبو میں شامل تیری خوشبو کیوں نہیں ہے

اگر یہ گھر ہے میرا گھر تو دیواریں کہاں ہیں
اگر یہ دشت ہے تو اس میں آہُو کیوں نہیں ہے

غلط مفہوم ہی کیوں اخذ کرتے ہیں یہاں لوگ
ہماری چپ میں سچائی کا پہلو کیوں نہیں ہے

ابھی تک میں تری نظروں میں اچھا کیوں نہیں ہوں
مجھے اپنے برے ہونے پہ قابو کیوں نہیں ہے

اُسے دکھ ہے تو کیوں کرتی نہیں دکھ کا تدارک
ہے دنیا دار تو پھر مصلحت خُو کیوں نہیں ہے

O

اچھا ہے وہ بیمار جو اچھا نہیں ہوتا
جب تجربے ہوتے ہیں تو دھوکا نہیں ہوتا

جس لفظ کو میں توڑ کے خود ٹوٹ گیا ہوں
کہتا بھی تو وہ اُس کو گوارہ نہیں ہوتا

تیری ہی طرح آتا ہے آنکھوں میں ترا خواب
سچا نہیں ہوتا کبھی جھوٹا نہیں ہوتا

تکذیبِ جنوں کے لیے اک شک ہی بہت ہے
بارش کا سمے ہو تو ستارہ نہیں ہوتا

کیا کیا در و دیوار مری خاک میں گم ہیں
پر اس کو مرا جسم گوارہ نہیں ہوتا

یا دل نہیں ہوتا مرے ہونے کے سبب سے
یا دل کے سبب سے مرا ہونا نہیں ہوتا

کس رُخ سے تیقن کو طبیعت میں جگہ دیں
ایسا نہیں ہوتا کبھی ویسا نہیں ہوتا

ہم لوگ جو کرتے ہیں وہ ہوتا ہی نہیں ہے
ہونا جو نظر آتا ہے ہونا نہیں ہوتا

جس دن کے گزرتے ہی یہاں رات ہوئی ہے
اے کاش! وہ دن میں نے گزارا نہیں ہوتا

جب ہم نہیں ہوتے یہاں آتے ہیں تغیّر
جب ہم یہاں ہوتے ہیں زمانہ نہیں ہوتا

ہم ان میں ہیں جن کی کوئی ہستی نہیں ہوتی
ہم ٹوٹ بھی جائیں تو تماشا نہیں ہوتا

○

مری وحشت مجھے رسوا نہ کر جائے
مری آواز سے دنیا نہ ڈر جائے

اکیلا پن زیادہ ہو گیا ہے
محبت کرنے کی حِس ہی نہ مر جائے

طلب گاری سے ہی تو زندگی ہے
نہ ہو یہ روگ تو ہر شخص مر جائے

میں اپنے پاس رہنا چاہتا ہوں
وہ میرے پاؤں کو زنجیر کر جائے

مسافر سے کہو عجلت نہ برتے
ضروری ہو تو رستے میں ٹھہر جائے

مراسم کو بروئے کار لانا
اگر دنیا نہیں تو دل سنور جائے

مری سوچیں مجھے تھامے ہوئے ہیں
نہیں سوچوں تو شیرازہ بکھر جائے

نشے میں جو ہے ، وہ تو خیر وہ ہے
مگر جس شخص کا نشّہ اُتر جائے!

اکیلا پن نظر آنے لگا ہے
مری آنکھیں کہیں پتھرا نہ جائیں

O

مجھے ملال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے
مگر یہ حال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے

میں ٹوٹتا بھی ہوں اور خود ہی جُڑ بھی جاتا ہوں
کہ یہ کمال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے

پکارتا بھی وہی ہے مجھے سفر کے لیے
سفر محال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے

جواب دیتا ہے میرے ہر اک سوال کا وہ
مگر سوال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے

وہ میرے حال سے مجھ کو ہی بے خبر کر دے
یہ احتمال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے

میں اس کے ہجر میں کیوں ٹوٹ کر نہیں رویا
یہ اک سوال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے

جب آگہی مجھے گمراہ کرتی ہے محسنؔ
جنوں بحال بھی اُس کی طرف سے ہوتا ہے

O

میں خود نبرد ہوں میرے لیے سپاہ بنا
تعلقات کے دو چار تو گواہ بنا

اکیلے پن کو مرے سلطنت کا درجہ دے
پھر اُس کے بعد مجھے اس کا بادشاہ بنا

محبتوں کے حوالے سے چند آنسو دے
بطور خاص مری مغفرت کی راہ بنا

تباہ کر مرے اندر کی ''میں'' کو چپکے سے
اور اس تمام عمل کا مجھے گواہ بنا

ہمارے چاروں طرف ہیں گماں کی دیواریں
اس اِبتلا سے نکلنے کی کوئی راہ بنا

تجھے تو دیکھنا ہے عکس کے پرے محسنؔ
ملا ہے آئنہ تو ٹھیک سے نگاہ بنا

O

رہے بے گھر مکاں ہوتے ہوئے بھی
نہیں تھے ہم یہاں ہوتے ہوئے بھی

سمجھنا چاہتا ہوں زندگی کو
سو میں چُپ ہوں زباں ہوتے ہوئے بھی

اُس آتش کا مزا ہی کچھ عجب تھا
نہ روئے ہم دھواں ہوتے ہوئے بھی

اندھیروں کی صراحت کر رہا ہوں
دِیوں کے درمیاں ہوتے ہوئے بھی

مگر میں خوش دکھائی دے رہا ہوں
طبیعت کے گراں ہوتے ہوئے بھی

رکھی قائم ہمیشہ خوش گُمانی
کسی سے بدگُماں ہوتے ہوئے بھی

عجب ہیں رنگ اُس کی چاہتوں کے
نظر آئے نہاں ہوتے ہوئے بھی

تعاقب میں ترے دیکھا ہے ہم نے
نظر کو رائیگاں ہوتے ہوئے بھی

ہمارا ساتھ کب دیتے ہیں محسنؔ
ہمارے جسم و جاں ہوتے ہوئے بھی

ہم کو تو آئینے کی ضرورت نہیں مگر
اک آدمی سے گہرے مراسم ہیں کیا کریں

O

اُس کی آنکھوں میں چاہتیں بھی ہیں
زندگی کی علامتیں بھی ہیں

صرف شمعیں نہیں ہیں اس کے پاس
روشنی کی ضمانتیں بھی ہیں

میں نے دیکھا ہے اس کی آنکھوں میں
میری اپنی ضرورتیں بھی ہیں

سوچ لینا گریز سے پہلے
ہم میں تم میں محبتیں بھی ہیں

ہم ترے پاس بیٹھے ہیں ورنہ
زیست کی اور صورتیں بھی ہیں

جو اکیلے سفر نہیں کرتیں
وقت میں ایسی ساعتیں بھی ہیں

O

دِلاسا دے وگرنہ آنکھ کو گِریہ پکڑ لے گا
ترے جاتے ہی پھر مجھ کو غمِ دنیا پکڑ لے گا

سفر گو واپسی کا ہے مگر تُو ساتھ رہ میرے
مجھے یہ خوف ہے مجھ کو مرا سایا پکڑ لے گا

تُو اپنے دل ہی دل میں بس مجھے آواز دیتا رہ
سماعت کو مری ورنہ یہ سنّاٹا پکڑ لے گا

نکلنا گھر سے باہر بھی علامت ہے تصادم کی
جسے تنہائی چھوڑے گی اسے خطرہ پکڑ لے گا

مرے کھوئے ہوئے لمحے کہیں سے ڈھونڈ کر لا دو
مگر ہُشیار رہنا پاؤں کو رستہ پکڑ لے گا

اگر میں لوٹ جاؤں عشق سے پہلے کے عالم میں
تو اس کے قرب سے گزرا ہوا لمحہ پکڑ لے گا

تُو خود بھی جاگتا رہ اور مجھ کو بھی جگاتا رہ
نہیں تو زندگی کو دوسرا قصہ پکڑ لے گا

عجیب عالمِ حیرت ہے کارگاہِ حیات
کسی کو دیکھنا چاہا کوئی نظر آیا

O

سماعتوں کے لیے راز چھوڑ آئے ہیں
ہم اس کے شہر میں آواز چھوڑ آئے ہیں

ہم اس کی سوچ میں امکانِ انتہا سے الگ
نیا سفر' نیا آغاز چھوڑ آئے ہیں

مذاکرات سرِ وصل کامیاب رہے
جو کچھ کیا تھا پس انداز چھوڑ آئے ہیں

ہوا میں اُڑتا ہوا رزق پالیا لیکن
پرندے جرأتِ پرواز چھوڑ آئے ہیں

لبوں کو اس کی ہتھیلی پہ رکھ کے ہم محسنؔ
تخیلات کے اعجاز چھوڑ آئے ہیں

O

گزر چکا ہے زمانہ وصال کرنے کا
یہ کوئی وقت ہے تیرے کمال کرنے کا

بُرا نہ مان جو پہلو بدل رہا ہوں میں
مرا طریقہ ہے یہ عرضِ حال کرنے کا

مجھے اُداس نہ کر ورنہ ساکھ ٹوٹے گی
نہیں ہے تجربہ مجھ کو ملال کرنے کا

تلاش کر مرے اندر وجود کو اپنے
ارادہ چھوڑ مجھے پائمال کرنے کا

یہ ہم جو عشق میں بیمار پڑتے رہتے ہیں
یہ اک سبب ہے تعلق بحال کرنے کا

عجیب شخص تھا لوٹا گیا مرا سب کچھ
معاوضہ نہ لیا دیکھ بھال کرنے کا

پھر اس کے بعد ہمیشہ ہی چپ رہے محسنؔ
خراج دینا پڑا عرضِ حال کرنے کا